



دود چراغ محفل

Al No 6
28

Al 6
23

دودِ پسرانِ محفل

(دُرانا)



ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

ریڈر شعبہ اُردو و جامعہ عثمانیہ



مطبوعہ

اعجاز پرنٹنگ پریس

پریس لین، چھتہ بازار
حیدرآباد ۲

قیمت ۲ روپے

پہلا ایڈیشن

۲

شیر

”دودِ پیرِ سرِ غمِ محفل“

غالب کی حیات اور کارناموں پر مبنی ایک ڈراما

فہرست

(۱) اقرا و تمثیل

(۲) اثاثہ تمثیل

(۳) ہدایات مناظر

پہلا ایکٹ — اگرہ ۱۷۹۷ء تا ۱۸۱۶ء

(۱) سین پہلا (پیدائش) اگرہ کلاں محل پیل منڈی

(۲) سین دوسرا (لڑکپن)

(۳) سین تیسرا

دوسرا ایکٹ — دہلی ۱۸۱۶ء تا ۱۸۴۷ء

(جوانی)

نواب الہی بخش خان معروف کی محل سرا

(۱) سین پہلا

(۲) سین دوسرا

(۳) سین تیسرا

شعبان بیگ کی حویلی - پھاٹک حبش خان
غالب کاسکو تہی مکان -

- (۴) سین چوتھا شعبان بیگ کی حویلی - پھاٹک حبش خان
 غالب کا سکونت مکان
 (۵) سین پانچواں کلکتہ (انجبار آئینہ اسکندر کا دفتر)

تیسرا ایکٹ — دہلی ۱۸۴۷ء تا ۱۸۶۹ء

(ادھیڑ پن در بڑھایا)

- (۱) سین پہلا دہلی (کھاری باؤلی، نواب عبدالرحمن کی حویلی)
 (۲) سین دوسرا " لال قلعہ
 (۳) سین تیسرا " غدر
 (۴) سین چوتھا " (غدر کے بعد)
 (۵) سین پانچواں " بیماری و موت



افراد تمثیل

(۱) غلام حسین کیدان .. غالب کے نانا

(۲) مرزا عید الشریک عرف مرزا دو .. غالب کے والد

(۳) پنڈت .. پوتھی یا پختے والا

(۴) ولی محمد نظیر .. آگرہ کے مشہور شاعر سنہ ولادت ۱۷۳۵ء

سنہ وفات ۱۸۳۰ء

(۵) بلوان سنگھ .. غالب کے دوست آگرہ کے متوطن۔ غالب نے

اپنے رقعہ میں ان کا ذکر کیا ہے کہ وہ اُن کے
ساتھ کھیلے تھے۔

(۶) ہر مرزا ملا عبد الصمد .. ایرانی سیاح (زرشت) جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔

جس کا قیام آگرہ میں دو سال غالب کے

گھر میں رہا۔

(۷) امراؤ بیگم

.. غالب کی بیوی نواب الہی بخش خان معروف

کی دختر اور نواب احمد بخش والی فیروز پور
کی بیٹی تھی۔

(۸) امر اؤ بیگم کی سہیلی

.. ڈومنی جس کا ذکر غالب کے خطوط میں
آیا ہے جس کے مرنے پر غالب نے اپنا مشہور
مرثیہ لکھا۔

(۹) نواب الہی بخش خان معروف .. دلی کے مشہور رئیس اور غالب کے خسر
(۱۰) مولوی فضل حق خیر آبادی .. دلی کے مشہور عالم غالب کے دوست ان

می کے کہنے پر غالب نے مشکل گوئی ترک کی۔
.. غالب کے دوست مشہور سخن فہم ان کے
نام غالب کے متعدد خطوط ہیں۔

(۱۱) منشی نبی بخش حقیر

.. وزیر عظم دہلی

(۱۲) حکیم احسن اللہ خان

(۱۳) مولوی سراج الدین

(۱۴) مسٹر حسن علی

.. ”اخبار آئینہ اسکندر“ کے مدیر

.. ہندوستانی کے پروفیسر ٹیکسیر کے معاون۔

لندن یونیورسٹی میں ہندوستانی کے استاد۔

.. ایک انگریز خاتون جس نے ہندوستانی

مسلمانوں پر ایک کتاب لکھی۔

.. ایرانی سفیر جس سے غالب کی کلکتہ میں

ملاقات ہوئی۔

(۱۵) مسٹر حسن علی

(۱۶) کفایت خان

.. کلکتہ کے رئیس جن کی فرمائش پر غالب نے

اپنا مشہور قطعہ چکنی ڈلی لکھا۔

(۱۷) نواب کرم حسین

۹
.. بادشاہ دہلی۔

(۱۸) بہادر شاہ ظفر

.. غالب کے حریف۔

(۱۹) شیخ ابراہیم ذوق

.. غالب کے معترض۔ ذوق کے مداح۔

(۲۰) حکیم آغا خاں عیش

دہلی کے مشہور شاعر۔

.. ولی عہد

(۲۱) مرزا جواں بخت

(۲۲) کلیان - وفادارہ .. داروغہ (کلو) (غالب کے ملازمین جو

آخر دم تک ساتھ رہے جن کا ذکر رقعات
میں ملتا ہے)

(۲۳) سید سردار مرزا .. دہلی کے رئیس جو غدر کے بعد مفایک الحال
ہو گئے۔

(۲۴) الطاف حسین حالی .. غالب کے شاگرد و یادگار غالب کے مصنف
اور دو کے مشہور شاعر۔

.. انگریز کپتان یہ زمانہ غدر

(۲۵) کرنل براؤن

.. (سیاہی۔ حاجب۔ شاہی۔ متصدی

(۲۶) طوائف متفرق

درباری۔ مرتبیاں وغیرہ)۔

زمانہ (سنہ ۱۷۹۶ء تا سنہ ۱۸۶۹ء)

مقام۔ آگرہ۔ دہلی۔ کلکتہ۔

اثاثہ تمثیل

جانہ فی - گاؤ تکیہ - حقہ - پلنگ - کھانے کی میز - کرسیاں - ہونڈھے
قلم دوات - موٹی کتاب - بیاض - سارنگی - طبلہ - سنگھار داں - تلواریں
بندوقیں - ڈھولک -

ہدایات مناظر

تمام ڈرامہ محل سرا کے اندر اور دیوان خانہ کے اندر ہے۔ لہذا
محل سرا کے زنانہ اور مردانہ (دیوان خانہ) حصوں کی سجاوٹ ایک ہی ہے۔
جو دریا کا سین ہے اس میں کسی قدر طمطراق ہے بقیہ سین سادہ ہیں اس کی
پیش کشی اور مناظر بدلنے میں دقت نہیں ہوتی۔ اسٹیج کی سہولت کا
بطور خاص خیال رکھا گیا ہے کوئی سین ایسا نہیں جسے پیش کرنے
میں دقت ہو۔ فنی نقطہ نظر سے اس کی پیش کشی بہت آسان ہے۔

پہلا ایکٹ

ولادت

سین پہلا

مقام۔ کلاں محل۔ پپل منڈی آگرہ میں خواجہ غلام حسین خان کاسکونتی مکان
تیارخ۔ ۷ رجب سنہ ۱۲۱۲ ہجری (۲۷- دسمبر سنہ ۱۷۹۷ء) کے ایک ہفتہ
بعد یعنی غالب کی ولادت کے (ایک ہفتہ بعد ۱۵- رجب سنہ ۱۲۱۲)
اور ۲- جنوری سنہ ۱۷۹۸ء)

خواجہ غلام حسین کبیدان کی حیوانی کا دیوان خانہ۔ سفید چاندنی کافرش
اس پر ایرانی قالین۔ صدر میں دو گائیکے جن پر مرزا دوٹھا (عبداللہ بیگ خان)
اور غلام حسین کبیدان بیٹھے ہیں دونوں سفید انگرکھے اور پگڑیاں پہنے ہوئے
ہیں کمروں میں تلواریں لٹک رہی ہیں۔ بازو والے لین پر سیدھی طرف
پنڈت بیٹھے ہوئے ہیں (پنڈت کاروایتی لباس کمر میں زینار اور دھوتی)

ما تھے پر تلک لگائے) بائیں طرف دلی محمدؐ نظیر اپنے مخصوص لباس
میں جلوہ فرما ہیں۔ پس منظر۔ بچے کے عقیقہ کی تقریب۔ ڈھولک
پر مراٹھیں زچہ گیری گارہی ہیں)۔ زچہ گیری کے بول :-
مرزا دوٹھا۔ (غلام حسین کندان سے) قبلہ! بچے کی پیدائش کا یہ ہنگامہ
فرو بھی ہو گا یا نہیں؟ اب تو سات دن ہونے آئے!

غلام حسین کندان۔ برنجوردار! ہنگامہ کیسے کم ہو گا۔ شیروں کے گھر شیر پیدا
ہوا۔ جنگل میں مور نہیں کہنا چاہتا تو کسی نے دیکھا اور کسی نے نہ دیکھا
کمیدان کا تو اسہ ہے۔ سپاہیوں کی بیویاں بچہ دیکھنے آئی ہونگی۔

(تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر پہلی ولادت پر تو اس طرح کی چہل پل ہوتی
ہے۔ یہ کہو تم نے سفر دکن کا کیا طے کیا؟

مرزا دوٹھا۔ ارادہ ہے استعفیٰ بھجوا دوں۔ نظام علی خان کے دربار میں
مجھ جیسے کھرے سپاہی زادوں کے لئے جگہ نہیں۔ الور سے بلاوا آیا ہے
سوچتا ہوں وہاں چلا جاؤں (پنڈت جی سے مخاطب ہوا) کہیے
پنڈت جی پو تھی دیکھ لی۔ کیسے بھاگ ہیں ہمارے فرزند کے۔

پنڈت جی۔ حجور کیا بتاؤں۔ پھر جند تو بہت ہی ارجمند ہے۔ لیکن حجور
آپ کی طرح تلوار نہیں اٹھائے گا۔ کلمہ ہاتھ میں لے گا۔ اس کے کلمہ
میں تلوار سے زیادہ شکتی رہے گی۔ اس کی بانی تو اندر کی بان ہے۔

:- ”زچہ میری ساج اپنی مان ہنری جوڑے ہیں“

جس پر چلاوے وہی لوٹ پوٹ ہو جاوے۔ اور تجور نام تو اس
کا ایسا ہے کہ جب تک چند زمان اور سور یہ آسمان بھرا جھٹکے اس
کے نام کا نکارہ بختار ہے گا۔ ہر ایک میں اس کے چاہنے والے
موجود رہیں گے۔ تجور یہ تو دیوتا سماں منش کے سرور سوں کا
بکھاں کرے گا۔ !

مرزا دولٹھا۔

پنڈت۔ تجور اس کے گھر سر سوتی کا قبضہ ہے۔ لکشمی نہیں آئے گی۔
پیسہ آئے گا بہت مگر ایک ہاتھ لے گا تو دوسرے ہاتھ دے گا۔
نظیر۔ پنڈت جی پیسہ لے کر کرنا ہی کیا ہے۔ چھوڑ ہی تو جائیں گے۔ اصل
پہیز تو بڑائی ہے۔ روح کی بھی ذہن کی بھی۔ (بلند آواز سے گنگنا رہے ہیں)
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لا د چلے گا۔ بنجارہ
کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ بعل و زمر دسیم و زر
جب پو پوچی یاٹ میں بکھیر لگی پھر آن بنے گی جان اوپر
نوبت تقارے بان تھان۔ دولت جہمت۔ فوجیں لشکر
کیا سند تکیہ ملک۔ مکان۔ کیا چوکی۔ کرسی تخت چھیر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لا د چلے گا۔ بنجارہ
نظیر کی خوش الحانی پر۔

مرزا غلام حسین حقہ کاکش لگاتے لگاتے کچھ کھوسے گئے ہیں۔ پنڈت جی تھوم رہے ہیں۔

مرزا دوٹھا خاموش ہیں۔ پھر پنڈت جی سے مخاطب ہو کر۔
مرزا دوٹھا۔ اچھا تو پنڈت جی ہم اسے ودھوان بنائیں گے۔ ہم اسے
یُم دت کی طرح زندگیوں کو ختم کرنے والا نہیں۔ اندر کی طرح
روحوں کو خوش کرنے والا اور سنوارنے والا بنائیں گے ہم اسے
فنون سپہ گری نہیں سکھائیں گے۔ اگرچہ ہمارے اب وجد کا
پیشہ ہی تھا ہم اسے پڑھائیں گے۔ اس وقت ہندوستان میں
جتنے بھی علوم ہیں ہم اسے سکھائیں گے۔ ہمارا بیٹا افتار سمان
زندگیوں کو سنوارنے والا بنے گا۔ انشاء اللہ۔

پنڈت جی یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا برج کون سا ہے
پنڈت۔ اس کا برج سنگھ ہے۔
نظیر۔ ”سنگھ“ یعنی ”اسد“

پنڈت۔ ہاں صاحب۔ برج بھی اسد ہے اور طالع بھی اسد۔
مرزا دوٹھا۔ کیوں نہ ہم اس کا نام ”اسد اللہ خان“ رکھیں۔ (غلام حسین
کی طرف مڑ کر) کیوں قبیلہ ٹھیک ہے نا۔

غلام حسین کمیدان۔ اسد اللہ غالب۔ حضرت علی شیر خدا کا بھی

لقب ہے تم اسے اسد اللہ خان کہو ہم اسے مرزا نوشہ پکاریں گے
تمہارا خطاب مرزا دولہا ہے نا۔ اس مناسبت سے مرزا نوشہ
کہیں گے اور بیخے رزم کے ساتھ پھر بزم کی بھی مناسبت
رہے گی۔

نظیر۔ (بیکار) گنگنا نے لگتے ہیں۔
ذر کی جو محبت تجھے تڑپائے گی بابا۔
(اس کے بعد کسی قدر بلند آواز سے)

تن سوکھا۔ کھڑی پیٹھ بھٹی گھوڑے پر زین دھر دیا
اب موت کا تھارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
(خاموش ہو جاتے ہیں)

مرزا دولہا۔ ولی محمد یہ تم نے بے وقت کی راگنی کیوں چھڑی۔
نظیر۔ نہیں مرزا صاحب یہ بات نہیں۔ آپ آکر رہے ہیں نا۔ گھوڑے
پر زین کسی جائے گی اس لئے یاد آگیا رہا دوسرا مصرعہ تو مرزا
صاحب یہ بے وقت کی راگنی نہیں۔ یہ وقت تو سب پر آنے والا ہے

(پس منظر غمگین موسیقی)

سین دوسرا (لڑکین)

غلام حسین کی حویلی کا دیوان خانہ ایک دس بارہ سال کا لڑکا برکا
پا جامہ کھلی آستین کا آلفی گریبان کا کرتا پہنے سر پر مٹل کی گول ہلکی
ٹوپی جس پر کشیدہ کا کام ہے۔ دوسرے لڑکے کے ساتھ چو سر کھیل رہا
ہے (یہ غالب کی لڑکین کی تصویر ہے) دوسرے لڑکے کا لباس بھی
ملتا جلتا ہے۔ صرف یا جامے کی جگہ دھوٹی اور سر پر پگڑی ہے۔ ماتھے
پر قشقہ لگا ہے۔ یہ لڑکا بلوان سنگھ ہے۔

(دونوں لڑکے چو سر کھیل رہے ہیں)

بلوان سنگھ۔ (نزدیں ڈال کر) واہ صاحب یہ پانسہ تو الٹا پڑا ہے۔
غالب۔ راجہ میاں آج آپ کا دل چو سر میں کہاں چو کس کے کوسے پر ہے۔
بلوان سنگھ۔ بات تو ٹھیک ہے مرزا۔ کم بخت فردوس نظر بھی ہے اور
۱۔ غالب کی مخاطبت کے انداز نئے نئے ہیں۔

رہنما تھیں وہوش بھی (کھیل روک کر) میں پوچھتا ہوں مرزا
 تو سب کھیل تو کھیلتا ہے۔ اس کھیل سے ابھی تک کیسے بچا رہا۔
 غالب۔ اس میں شک نہیں۔ میں دنیا کو بازیچہ اطفال سمجھتا ہوں۔ سب
 بازیاں کھیل چکا۔ لیکن ابھی تک دلوں کی بازی نہیں کھیلی۔
 (پھر کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں) تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر
 سُن۔ ابھی ابھی ایک شعر ہوا ہے۔

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش

اے خوشنارند کہ مرغ گلشن تجرید ہے۔

بلوان سنگھ۔ بھائی مرزا تیرے کلام میں دو تہائی فارسی ہوتی ہے۔ اب
 اس شعر کو دیکھ اس میں سے کچھ نہیں "زور" ہے چار لفظ نکال
 لے تو معلوم ہوتا ہے۔ نظیری یا صائب کا کوئی شعر ہے وہی ہمارا
 نظیر صاحب کو دیکھ چند دن پہلے بی بی کے موقع پر والد صاحب
 کے ساتھ رائے بلا اس رائے کے ہاں جانا ہوا۔ بچوں کو پڑھاتے
 تھے میں نے شعر سنانے کی فرمائش کی تو ہوئی یہ چند اشعار سنائے۔
 والشدیار ایسا سماں باندھا کہ طبیعت نہال ہو گئی۔

غالب۔ (خندہ زیر لب) راجہ تو میرے اشعار کیا سمجھے گا۔ یا شعر و
 شاعری کے چکر میں کیوں پڑتا ہے۔ مرغ بازی کر۔ پتنگ لڑا

کوٹھے کی سیر کر۔ خیر یہ بتا اس مشاعرے کا کیا بنا۔ جو تمہارے
دوست نواب صاحب کے ہاں ہونے والا تھا۔ سنا ہے اس میں
میر صاحب بھی شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بلوان سنگھ۔ یار بھول ہی گیا۔ نواب صاحب کہتے تھے میر تقی میر بھی آنے
والے ہیں۔ انھوں نے مجھے بھی دعوت دینے کے لئے کہا ہے۔ مجھ
سے کہتے تھے تمہارے دوست کے اشعار مجھے پسند آتے ہیں۔
نوشق ہی ہے لیکن ابھی سے اس کے کلام میں تیکھا پن ہے اس
کے اشعار عام روش سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک آدھ غزل
لکھ لے مگر مرزا تو بیدل کی تقلید چھوڑ دے۔ سودا کی تقلید کر۔
نظیر کا رنگ اختیار کر۔ اپنی دلی میں دیکھو درد کس پایہ کا شاعر
تھا۔ واقعی یار مجھے تو میر صاحب کا کلام ہی اچھا لگتا ہے۔ ایسے
محسوس ہوتا ہے شعر نہیں نشتر ہے جو سید عادل میں اتر جاتا ہے۔
بلکہ گھر کر جاتا ہے۔

مرزا نوشہ۔ بلوان سنگھ۔ میں تجھے نرالت باز کھلاڑی سمجھتا تھا۔ مگر
معلوم ہوتا ہے تو کیسے پر سچ مچ دل دے آیا جب ہی تو میر
کو پسند کرتا ہے۔ ہاں تیرے نواب صاحب کے مشاعرے میں
یار جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔ غزل بھی پڑھیں گے۔ افوہ

وہ ہمارے ایرانی استاد آیا ہی چاہتے ہیں۔ چچا صاحب نے ان
حضرت کو میرے سر اچھا منڈھ دیا لیکن ظالم واقعی عالم ہے
اس کی باتوں میں دنیا و مافیہا کو بھولی جاتا ہوں۔

(دستک کی آواز)

(غالب اٹھتے ہیں۔)

جواہر سنگھ۔ اچھا بھئی چل دیئے۔ کسی دن تمہیں بھی کوٹھے کی سیر کرائیں گے۔
(ایک پارسی نثران بزرگ داخل ہوتے ہیں)

(بزرگ کا لباس نووارد ایرانیوں جیسا ہے۔ سر پر ایرانی لٹری۔
پیر میں سفید انگرکھا یہ سابق ہر فرد اور حال مولوی عبدالصمد
ہیں جن سے غالب نے فارسی سیکھی۔)

غالب۔ السلام علیکم مولوی صاحب (اٹھ کر انھیں مستند پر بٹھاتے
ہیں۔ خود سامنے دو زانو بیٹھ جاتے ہیں)

ہر مزد۔ وعلیکم السلام۔

غالب۔ کہئے مولوی صاحب آپ کو ہمارا ہندوستان پسند آیا۔

ہر مزد۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ ہمیں تو مابین ایران و ہندوستان
کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔ فارسی بھی یہاں خوب بولی اور
سمجھی جاتی ہے۔ ہمیں تو تمہارے شاعروں میں ابوالفرج رونی

مسعود سعد سلمان - امیر خسرو - ضیاء بخشی - ابو الفضل - فیضی
بیدل سب ہی پسند ہیں - صائب - کلیم - عرفی - نظیری وغیرہ
آئے تو ایران سے لیکن انھوں نے ہندوستانی رنگ خاصہ
قبول کر لیا۔

غالب - مولوی صاحب میں انھیں نہیں مانتا^۱ - یہ تو "سپاہی فالینر"^۲
ہیں - ہاں امیر خسرو کی بات اور ہے۔

ہر مزد (عبدالصمد) نہیں بر خور دار یہ بات نہیں - مجھے خوشی ہے کہ تم نے
فارسی ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے کہ ایرانی اور غیر ایرانی فارسی
کے حسن و قبح کو پرکھ سکو - سچ تو یہ ہے کہ تمہاری فارسی کامیاب
بہت بلند ہو گیا ہے مجھے مسرت ہے کہ میری محنت اکارت
نہیں گئی - تمہارے چچا نواب مرزا نصر اللہ خاں صاحب کی خواہش
میں نے پوری کی - کاش تمہارے والد زندہ ہوتے۔

غالب - لیکن قبلہ اپنی فارسی دانی سے عجیب محسوس میں بھنس گیا - میرے
دوست احباب میری فارسی دانی پر خار کھاتے ہیں - ان کا خیال
ہے کہ میری شاعری میں فارسیت کا غلبہ ہے۔

۱ - ملاحظہ کیجئے پنج آہنگ

۲ - یہ ترکیب غالب نے استعمال کی ہے۔

عید الصمد ہر مزد۔ اگر ہو بھی بُرا کیا ہے تمہارے ریختہ میں اتنی جان
کہاں کہ خیال کا بوجھ سہا ر سکے۔ اچھا ہے تم ایک نئی طرز سخن
نکالو۔ میر تقی نے ریختہ کے چھ اقسام گنوائے ہیں تم ساتویں کا
اضافہ کرو۔

غالب۔ قبلہ میں نے سنا ہے^۱ پارسیوں کے "کیش" میں تناسخ بیشتر ہے
بہ حسب درجات خیر و شر۔ نیکو کار۔ کم آزار اچھی صورت
پائیں گے۔ اور بدکاروں کو بُری صورت ملے گی۔ نیکو کار
آواگوں سے چھٹ جائیں گے اور کو اکب بن جائیں گے۔

ہر مزد (عید الصمد) نہیں بر خور دار۔ ایسا نہیں۔ یہ عقیدہ زندا و ستا کے
ماننے والوں کا ہے ہم زرتشتیوں کو اس سے سروکار نہیں۔ اور
اب تو میں توحید پر ایمان لے آیا۔ اب زرتشتی کہاں رہا۔

غالب۔۔ خوب یاد آیا۔ مولوی صاحب۔ سنا ہے ایک ہفتہ بعد یہاں
مشاعرہ ہونے والا ہے آپ کے پسندیدہ شاعر میر تقی میر بھی
اپنا کلام سنانے والے ہیں۔ میرا بھی ارادہ ہے کیا آپ کا بھی
چلنے کا قصد ہے۔

۱۔ یہ جملے غالب ہی کے ہیں جو انھوں نے قاطع برہان کے سلسلہ میں لکھے ہیں
ان کا تو۔
سب کہاں کچھ لالہ و گل نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ نہاں ہوئیں
اسی مفہوم پر حاوی ہے۔

ہر مزد - نہیں بر خور دار۔ مجھے ”مراختوں“ میں مرزا نہیں آتا۔ سنا ہے
 بیدل کے عرس کے موقع پر فارسی مشاعرہ ہوتا ہے اور تمام
 شعراء فارسی میں کلام سناتے ہیں۔ تم کبھی مجھے وہاں لے چلو۔
 غالب۔ بہت خوب اب ایک ماہ بعد بیدل کا عرس ہونے والا ہے
 تب آپ بھی ہمارے ساتھ تشریف لے چلیے۔ میری چچی کے بھائی
 نواب الہی بخش خان معروف کی جوٹی دہلی میں ہے آپ ان کے
 ہاں قیام کیجئے گا۔

سین تیسرا

غلام حسین کنڈا کی جوٹی کا زمانہ حصہ۔ (محل سرا) صاف ستھرا
 فرش بچھا ہے۔ ایک بزرگ خاتون چوکی پر تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ ان
 سے کچے فاصلہ پر غالب کی والدہ اور چچی بیٹھی ہوئی ہیں۔ والدہ
 جھالیہ کتر رہی ہیں۔ چچی ڈو پٹہ میں گوٹ ٹانگ رہی ہیں۔
 (غالب ادب سے آداب بجالاتے ہیں)

بزرگ خاتون۔ ہرؤ۔ مرزا نوشہ۔ اب تو دوستوں میں گل چھڑے اڑانے
 سے تمہیں اتنی نصرت بھی نہیں ملتی کہ کبھی ماں کے یا میرے پاس
 ۱۔ اس زمانے میں ریختہ کے مشاعرے کو مراختہ کہا جاتا تھا۔

آن بیٹھو۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ تمہاری آزادی پر پابندی لگادیں۔
غالب۔ جی۔ جی کیا فرمایا آپ نے۔

پھوپھی۔ یہی کہ اب تم کسی کے پابند ہو جاؤ یعنی شادی کر لو۔

مرزا نوشہ۔ آپ میرے پیروں میں بیٹریاں ڈالنا چاہتی ہیں۔

والدہ۔ نہیں بیٹا یہ بیٹری نہیں۔ تمہارے بھٹکے ہوئے قدموں کو ایک

جادو مل جائے گا۔ مزے سے زندگی کا سفر طے کرنا۔

مرزا نوشہ۔ آپ نے کوئی لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔

پھوپھی۔ اے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری چچی کے بھائی نواب

الہی بخش خان معروف کی لڑکی موجود ہے۔ تم نے بھی اسے دیکھا

ہے۔ مرزا یوسف کی تسمیہ خوانی پر وہ یہاں بھی آئی تھی۔

مرزا نوشہ۔ اچھا۔ اچھا۔ وہ سرخ و سفید۔ سادہ سی حوروں جیسی محصوم کچی

چرچی۔ (خوش ہو کر) ہاں ہاں وہی سو تو وہ تمہیں یاد ہے۔

مرزا نوشہ۔ یاد کیسے نہ رہتی۔ لیکن پھوپھی جان حور کا مقام تو جنت ہوتا ہے

اس اب و گل کی دنیا میں اس کا کیا کام اس کے لئے تو کوئی بیج

وقتہ نمازی شوہر ٹھیک رہے گا آپ اسے مجھ جیسے نکمے اور

نکھٹو کے گلے کیوں باندھ رہی ہیں۔

پھوپھی۔ اے لڑکے ہوش کی دوا کر۔ اس کا مقام جنت کیوں ہونے لگا۔

ہاں وہ تیرے گھر کو جنت بنادے گی۔ پھر ہونے والے خسرو بھی
تو دیکھ کس پایہ کے شاعر ہیں۔ قلعہ کے شاعروں میں ان کی شان
کی دھوم ہے۔ پشتینی رئیس ہیں۔ جانتے ہو یوہارو اور فیروز پور
جھرکا کے پرگنے ان ہی کے ہیں۔

پیچی۔ اجی میاں۔ ان کی شاعری پر تو جہاں پناہ فدا ہیں۔ ان کے استاد
جگت گرو احسان بھی ان کا لوہا مانتے ہیں۔ پچھلے مشاعرے میں
انہوں نے بادشاہ سلامت کی غزل پر غزل لکھی تھی اسے کیا کہتے
ہیں بھابی غالب کی والدہ سے مخاطب ہو کر۔

غالب کی والدہ۔ تضمین

پیچی۔ ہاں ہاں وہی۔ خوب بھابی ایسے معلوم ہوتا ہے آپ کو بھی
شاعری سے لگاؤ ہے۔ جب ہی تو برخوردار نے سپاہ گری کو
چھوڑ کر شاعری کو اپنایا ہے۔

”توبہ“، فضول باتوں میں کام کی بات تو رہی جا رہی ہے۔ میں کل
دلی جا رہی ہوں۔ بھائی جان سے ملکر دن تاریخ طے کریں گی۔
غالب۔ گنگنا تے ہوئے جاتے ہیں۔

مردہ اسے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے۔
دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

دوسرا ایکٹ

(جوانی)

(دہلی)

سین پہلا

نواب الہی بخش خان معروف کا دیوان خانہ۔ معروف صدر میں
 فالین پر بیٹھے ہوئے ہیں، حقہ رکھا ہوا ہے۔ غالب تنگ مہری کا
 آڑا پا جامہ، کرتا اس پر جامہ وار کی اچکن، البیدہ کا چنہ پہنے ہوئے
 ہیں۔ سر پر سیاہ پوتین کی چو گوشہ لمبی ٹوپی ہے۔ ڈاڑھی گھٹی
 ہوئی۔ غالب کھنٹے میں مصروف ہیں۔ سر اٹھا کر ایک کاغذ معروض
 کو پیش کرتے ہیں۔

معروف۔ پورے شجرہ کی نقل کر لی۔ بہت جلدی کی۔
 غالب۔ قبلہ۔ شجرہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے میں نے درمیان
 میں ایک ایک نام حذف کر دیا ہے۔ گویا ایک ایک سیڑھی

کسی قدر اچاک اچاک کر چڑھنی پڑے گی۔

معروف۔ (مسکرا کر) رکھ دو میاں۔ نقل تمہارے بس کا روگ
نہیں اچھا یہ بتاؤ تمہیں دہلی آئے ہوئے چھ ماہ ہونے آئے
تم نے۔ ابھی تک قلعہ کے مشاعرہ میں شرکت نہیں کی۔
کوئی تازہ غزل کہی ہو تو بتاؤ۔ تاکہ ہم تمہیں دعوت
دلا سکیں۔ استاد ذوق اب کی بڑا زوردار قصیدہ پیش
کرنے والے ہیں۔ سنتے ہیں ایک دو غزل بھی تیار ہے۔

مرزا نوشہ۔ قبلہ مجھے تو دربار داری سے معاف ہی فرمائی۔ پھر میں

دو غزلے سبہ غزلے تو لکھتا بھی نہیں صاف بات یہ ہے
میں شاعری کرتا ہوں۔ تک بندی اور قافیہ پیمائی نہیں
آپ نے دیکھا ہو گا۔ میری اردو غزل ۱۱ اشعار سے کبھی
تہیں بڑھتی مجھ پر جب واردات گزرتی اور کیفیات
طاری ہوتی ہیں تب قلم سے جذبات اشعار کی شکل میں
ڈھلتے ہیں رہا قصیدہ۔ قصیدہ تو بندہ کا میدان بھی نہیں
اس شہب کی شہ سواری تو حضرت ذوق ہی کو مبارک ہو۔
معروف۔ بر خوردار ابھی تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ زمانہ کے سرد گرم
کو نہیں چکھا۔

غالب۔ حضور۔ دنیا قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں نہیں۔ دنیا انسان کے دل میں ہے۔ انسانی ذہن میں ہے میری خلوت میں مجھے وہ ہنگامے نظر آتے ہیں جو قلعہ کے ہنگاموں سے کہیں زیادہ وسیع و وسیع ہیں۔ دیکھئے ایک غزل ہوئی ہے۔

معروضہ۔ سناؤ۔

غالب :- سنا تے ہیں۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یا رہتا
 اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
 ترے وعدے پر جسے ہم ترے جان جھوٹ جانا
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
 تو کبھی نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
 غم اگر چہ جان گسل ہے یہ بچین کہاں کہ دل ہے
 غم عشق گر نہ ہوتا غم دور گار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
 مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا
 ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
 غالب - کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
 مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا
 غالب - پھر پڑھنے لگتے ہیں۔

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
 جو دوئی کی بوجھ ہوئی تو کہیں دو چار ہوتا
 یہ مسائلِ تصوف یہ تیرا بیان غالب
 مجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
 معروف - واہ واہ مرزا نوشہ یہ تو تم نے بہت ہی لاجواب غزل
 بنائی ہے۔ ہجر کے غم کو کس انوکھے انداز میں باندھا ہے۔ مجھے
 کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا۔ یعنی شبِ ہجر میں روزِ موت
 کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خوب اس میں شک نہیں ہجر کا
 مضمون بہت لوگوں نے باندھا ہے۔ خاصہ پامال مضمون
 ہے مگر تم نے اس میں بڑی ندرت پیدا کر دی۔ تمہاری
 لے۔ اس زمانے میں غزل بنانا محاورہ تھا۔

تمہاری فہم رسا۔ اور عظمت تخیل کا تو میں بھی قایل ہوں۔
 طریقہ بیان بھی عجیب اور انوکھا ہے خیالات میں بھی
 بلند پروازی اور شوکت ہے۔ لیکن تمہاری مشکل پسند
 طبیعت سے تمہارا کلام مقبول عوام نہیں ہو پاتا۔ میرا
 مشورہ ہے کہ تم اپنی زبان میں روانی اور صفائی پیدا کرو۔
 غالب۔ قبلہ میں روش عام کو پسند نہیں کرتا۔ ایک رباعی ہوئی ہے
 سنئے گا۔

معروف۔ ضرور

مشکل ہے از میں کلام میرا اے دل
 سن سن کے اسے ملول ہوتے ہیں جاہل
 (لفظ جاہل پر چوکنے ہو کر)

معروف۔ کیا کہا۔

غالب۔ معاف کیجئے۔ جاہل کے بجائے شاید مجھے سخنوران کا مل

۱۔ یہ رباعی غالب نے بزمِ قیام اگر لکھی تھی اس میں لفظ جاہل تھا بعد ازاں
 دہلی کے قیام کے زمانہ میں اس میں ترمیم کر دی اور سخنوران کا مل بنا دیا۔
 دونوں رعایات موجود ہیں جس کا حوالہ محمد اکرام نے ”غالب نامہ“
 میں دیا ہے۔

کہنا چاہیئے۔ اب سنئے۔

مشکل ہے از بس کلام میسر الے دل
سُن سُن کے اسے سنخو رانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرہائش
گوئم مشکل و گر نہ گوئم مشکل

معروف۔ اب ٹھیک ہوا۔ ورنہ لوگ کیا کہتے کیا تم مولوی فصل حق خیر آباد
کو جاہل کہو گے۔ حکیم آغا جان عیش کو جاہل کہو گے۔ استاد نے
بھی تمہاری مشکل پسندی پر اعتراض کیا ہے۔

غالب۔ اس لئے تو میں نے سخن و رانِ کامل بنا دیا۔

معروف۔ ایک نئی زمین نکالی ہے تم بھی طبع آزمائی کرو۔

غالب۔ فرمائیے۔

معروف۔ شراب تو دے۔

غالب۔ (بھوڑی دیر کچھ سوچتے ہیں) اس کے بعد سنئے۔

پلا دے ادک سے ساتی جو ہم سے نصرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے، شراب تو دے
وہ آ کے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
ولے مجھے تیش دل مجال خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاؤٹ میں تیرا رو دینا
 تیری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
 اسد خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے
 معروف۔ خوب۔ خوب۔ بھئی مرزا نوشہ ہم تمہاری استاد کی کالیہا
 مان گئے ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اس پایہ کا سخن سنیج داماد
 ملا۔ تم اب کی بار مشاعرے میں ضرور چلنا میں خاص طور
 سے جہاں پناہ کو کہہ کر تمہیں دعوت نامہ بھیجاؤں گا۔
 غالب۔ کیا حکیم مومن خان بھی آئیں گے۔

معروف۔ وہ قلعہ کے مشاعروں میں آئے تو ہیں لیکن اپنے کو لئے
 دیئے رہتے ہیں۔ ان کا بھروسہ نہیں۔ دل میں آیا تو چلے آئیں گے۔
 غالب۔ پھر بندہ وہاں نہیں جائے گا۔

معروف۔ کس لئے۔ حکیم کی شاعری تو ہمیں بھی پسند ہے۔
 غالب۔ نہیں قبلہ بات یہ ہے کہ اگر وہلی میں کسی کو اپنا مد مقابل سمجھتا
 ہوں تو وہی ہے۔ وہ ظالم میرا طرز لے اڑتا ہے اگرچہ صرف

۱۔ غالب کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ جس مشاعرے میں مومن
 جاتے تھے غالب شریک نہیں ہوتے تھے۔ صرف ایک مشاعرے میں
 شرکت کی تھی۔

حسن و عشق کی واردات کو چٹخارہ لے کر بیان کرتا ہے لیکن اس میں اثر ہے۔ دیکھئے کس غضب کا شعر ہے۔ کاش مومن میرا پورا کلام لے لیتا۔ اور اس کے عوض یہ ایک شعر مجھے دے دیتا۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا ؛ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا معروف۔ یہ غزل بہت اچھی ہے خصوصاً یہ شعر۔

کس طرح یار کو لکھوں نامہ ؛ ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا غالب۔ (داد دینے کے انداز میں سر ہلاتے ہیں)

معروف۔ آج احمد بخش نے فریئر صاحب کو چائے پر بلایا ہے

انتظام دیکھ لوں۔ تم شام میں گھر ہی پر رہو گے نا۔

غالب۔ جی کہہ نہیں سکتا۔ ایک دوست نے بلایا ہے۔

معروف۔ دیکھو بر خور وار۔ اب تم گھر گرہستی والے ذمہ دار آدمی بن گئے ہو۔ اب یہ فضول مشغلے ترک کر دو۔ ہم جانتے ہیں تم

کہاں جاؤ گے۔ مغل جان کے کوٹھے پر محفل جمے گی۔ سنا ہے وہ

اگرہ سے آئی ہوئی ہے۔ یاد رکھو مرزا نوشہ میری بیٹی بہت حسد

ہے اس کے دل کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

۱ خط بنام حاتم علی بیگ مہر اس خط سے یہ نام معلوم ہوا۔ غالب نے یہ

بھی لکھا ہے کہ اس سے پہروں اختلاط رہتا تھا۔

غالب۔ یہ کیا فرما رہے ہیں قبلہ۔ بندہ تو مصری کی مکھی بنا چاہتا ہے۔
 شہد کی مکھی نہیں۔ دو گھڑی ہنسی بول لینے سے آپ کی
 صاحبزادی کا کیا بگڑتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے چچا احمد بخش
 صاحب کے صاحبزادے نواب شمس الدین خان پسند نہیں۔
 میں تو چاہتا ہوں آپ کی صاحبزادی بھی آئندہ نواب شمس الدین خان
 کے گھر والوں سے میل جول نہ رکھے مانا کہ قریبی رشتہ ہے اس
 سے کیا ہوتا ہے۔

معروف۔ ہاں مجھے بھی شمس الدین خان کے طور طریقے پسند نہیں۔ احمد بخش
 نے غلطی کی جو شمس الدین خان کو اپنا وارث قرار دیا۔ اس سے
 تو بہتر ہوتا وہ ضیاء الدین خان یا امین الدین خان میں سے کسی
 کو اپنا جانشین چنتے۔

غالب۔ قبلہ۔ آئندہ ہفتہ بیدل کے عرس کے موقع پر فارسی مشاعرہ
 ہو گا۔ اجازت ہو تو ہم دونوں میں اور آپ کی صاحبزادی عرس
 میں ہو آئیں آپ کے کام کا خاص ہرج نہ ہوتا ہو تو آپ
 بھی چلے چلیں۔

معروف۔ نہیں میاں مجھے تو معاف ہی کرو۔ ہاں تم دونوں ہو آؤ۔

سین دوسرا

نواب الہی بخش خان معروف کی حویلی کی محل سرا (زنان خانہ)
(ایک حسین و جمیل لڑکی آئینے کے سامنے سنگھار کرتی بیٹھی ہے)
دستک کی آواز

غالب۔ میں آسکتا ہوں۔

بیگم۔ آئیے۔ آجائیے۔

غالب۔ واہ بیگم واہ۔ آج تو غضب کا نکھار ہے۔

دشنہ غمزہ جانتاں ناوک ناز بے پناہ

تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں

(بیگم شرمناک روپے سے منہ چھپا لیتی ہیں)

غالب۔ آئینہ ہٹاتے ہوئے۔

جب وہ جمالِ دل فروز صورت مہر نیم روز

آپ ہی تو ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

بیگم۔ یہ آپ دستک دے کر کمرے کے اندر کیوں آتے ہیں؟

غالب۔ اس لئے کہ آپ ٹھہریں پنج وقتہ نمازی اور بندہ گناہ کا سیاہ کار

دستک اس لئے دیتا ہوں کہ آپ کے نماز و طیفے میں خلل نہ ہو

اور آپ کے نیکی کے فرشتے میری چاپ سُن کر چلے جائیں۔

پھر

واں وہ غرورِ عز و نازیاں یہ حجابِ پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں
بیگم - واہ مجھے بھی کوئی چنا جان منا جان سمجھ لیا ہے جو راہ میں
منے کہہ رہے ہو۔

غالب - ارے بیگم وہ چنا جان منا جان تو انسان ہیں مجھے جیسے - آپ
کی کیا بات ہے آپ تو "حوریں حور" ان بیو فاول سے
آپ کا کیا مقابلہ۔

بیگم - شاید آپ نے ان ہی کے لئے لکھا ہے تحت لفظ پڑھتی ہیں۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیر اس کی لگی میں جاؤ کیوں

غالب - خوب بھئی! اب تو تم سخن فہم بھی بن گئیں ماشاء اللہ کچھ ہی
دن میں سخن ور بھی بن جاؤ گی۔

بیگم - خدا کی مار اس سخن وری پر، میں تو کبھی نہیں بنو گی۔

آپ نے کیا پھل پایا جو مجھے مشورہ دے رہے ہیں ایک قصیدہ
تک تو نہیں لکھا کہ کچھ انعام اکرام ملتا۔ وہی لکھئے۔

ابا حضور کے استاد کوئی معمولی آدمی کے لڑکے ہیں لیکن شاعری
کی بدولت کتنے بڑے آدمی بن گئے بس آپ تو اپنی جاگیر کے
گھمنڈ میں مگن ہیں۔

غالب۔ تو بہ بیگم تم بھی لوگوں کی مناسنی اس طرح کی باتیں کرتے لگی
ہو۔ میں حقیقی شاعر ہوں۔ شعر فروشن نہیں ہوں

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری

کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

یہ سنگھار ہو بھی چکے گا یا نہیں

مجھے تو گھائل کر دیا آپ کے گھائل کر نیلے ارادے

بیگم۔ پھر وہی دل لگی میں کہتی ہوں آپ نے مجھے بھی کوئی ہرجائی
طوائف سمجھ لیا ہے۔

غالب۔ ہرجائی ہوں تمہارے دشمن۔ تم تو حور ہو۔ اصل میں قدرت

نے تمہیں اس دنیا میں میرا ساتھی بنا کر تم پر بھی ظلم کیا اور

مجھ پر بھی، جنت میں تم مجھے حور کی شکل میں ملتیں تو اچھا ہوتا۔

بیگم۔ دور پار یہ کسی بری فال منہ سے نکالتے ہیں آپ جنت تو
مرنے کے بعد ملتی ہے۔

غالب۔ ارے بھائی ہم تو آپ کی جنت کے قاین نہیں ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

بیگم - تو یہ کیا کفر بک رہے ہو۔

غالب - سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست لیکن خدا کرے
وہ تیری جلوہ گاہ ہو۔

بیگم - بس بھی کیجئے بہت ہو گیا ٹھٹھول۔ اچھا اب عرس میں چلنے
کے ارادے ہیں یا نہیں۔ اور سنتے۔

غالب - فرمائیے آپ کہیں اور میں نہ سنوں۔

بیگم - وہ میری ایک سہیلی ہیں۔

غالب - کہئے میں آپ کی سہیلی کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

بیگم - پھر وہی مذاق میرا خیال ہے آپ کو حیوان ناطق کی بجائے

حیوان طریف کہا جائے تو مناسب رہے گا۔ ہاں میں کہہ

رہی تھی وہ ہمارے ساتھ چلنا چاہتی ہیں وہ آپ کی شاعری

کی بڑی مداح ہے۔

غالب - افوہ۔ یہ لالچ تو آپ نے خوب دیا آپ سمجھتی ہیں اس بیان

سے میں خوش ہو جاؤں گا۔ آپ کی سہیلی آپ ہی جیسی

فہم و فراست کی مالک ہوں گی بھلا غالب کا کلام یہ آپ

کی صنف سمجھیں گی۔ محترمہ — میرا کلام سمجھنے عرفی نظری
صائب کی روح کو دعوت دیجئے۔ بیدل قبلہ کو قبر سے باہر
آنے کی زحمت دیجئے۔ ہوں۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔
(رک کر) اچھا ان کا کچھ اتا پتہ تو بتائیے۔ کہیں یہ حکیم مومن خاں
کی مرضیہ امتہ الفاطمہ تو نہیں؟

بیگم۔ (آواز دبا کر) وہ مغل جان ہیں نا اگر وہ والی انھوں نے ایک
غریب لڑکی کو گودے لیا تھا اسے لکھایا پڑھایا موسیقی کی تعلیم
دی۔ وہ اسے اپنے جیسا کوٹھے پر بٹھانا نہیں چاہتیں بلکہ
کسی شریف آدمی سے اس کا عقد کرنا چاہتی ہیں۔ پچھلے
ہفتہ چچا جان کے ہاں کی دعوت میں وہ مغل جان کے ساتھ
آئی تھی۔ مغل جان تو باہر بھیجی رہی۔ اس لڑکی کو انھوں نے
ہم لوگوں کے پاس زنان خانہ میں بھجوا دیا تب ہی سے وہ
میری سہیلی بن گئی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میں آپ کی بیوی
ہوں تو وہ اور بھی خلوص سے ملنے لگی۔ اسے آپ کے بہت سے
اشعار یاد ہیں اور ظالم نے گلا تو اس غضب کا پایا ہے کہ یہاں
سے باہر لیکن وہ جمعوں میں نہیں آتی سنا ہے مغل جان اسے مردانہ
محفلوں میں جانے نہیں دیتیں زنانہ کی خاص خاص محفلوں

میں گاتی ہے۔

غالب - اخواہ - یہ سلسلے ہیں اب طوائف زادیوں سے گاڑھی چھنے لگی۔
ہمارا گانا آپ کے ابا حضور کو پسند نہیں صاحبزادی کے یہ
لچھن دیکھ پاویں تو۔

بیگم - آپ بھی غضب کرتے ہیں کہیں ابا جان سے اس کا ذکر نہ کیجئے گا۔
میلنے تو صرف آپ کے سامنے تذکرہ کیا۔ یہاں یہ کہنا بھول ہی
گئی اسے آپ کی لکھی ہوئی بہت سی غزلیں یاد ہیں۔ ایک غزل
ہمیں سنائی مجھے تو پتہ بھی نہ تھا۔ آپ کا مخلص غالب آیا تب
میں سمجھی کہ یہ آپ کی لکھی ہوئی ہے۔

غالب - تم بتا سکتی ہو۔ کونسی غزل تھی؟
بیگم - مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آخر میں اپنا آتا ہے۔
غالب - اچھا یہ ... تو نہیں۔

ذکر اس ہری ویش کا اور پھر بیان اپنا۔ بن گیا رقیب آخر تھا جو رانہ داں اپنا
بیگم - یاں - یہی۔

غالب - ارے بھئی پھر ملاؤ نا ان سے پردہ تو وہ کلہے کو کرتی ہو گی۔
بیگم - جی نہیں وہ کھلے بندوں کسی کے سامنے نہیں نکلتی ممکن ہے
آپ کے سامنے آجائے۔ وہ یہی ہے، میں بلا لاتی ہوں۔ وہ
ہمارے ساتھ بیدل کے عرس میں چلنا چاہتی ہے۔ تاکہ آپ کا

فارسی کلام سن سکے۔

غالب۔ کیا وہ فارسی بھی سمجھتی ہے۔

بیگم۔ جی ہاں مغل جان نے اسے محمد معظم سے تعلیم دلوائی ہے وہی جو آپ کے بھی استاد رہ چکے ہیں۔

(بیگم چلی جاتی ہیں)

غالب۔ (ٹہلٹے ہوئے گنگناتے ہیں)

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا

رشتہ بر شمع خار کسوت فانوس تھا

مرقد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے جہنا

کس قدر یارب ہلاک حسرت پابو میں تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو

دل بہ دل پیوستہ گویا اک لب افسوس تھا

کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان

جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

(چھن چھن کی آواز)

بیگم۔ آ بھی جاؤ۔

سامنے ایک بہی جمال لڑکی آن کھڑی ہوئی ہے غالب گھبرا

میری اُردو اُردو کہاں دو تہائی فارسی ہے۔

چلے بہت دیر ہو گئی۔

ڈراپ سین

پس منظر عرس کی چہل پہل

پس پردہ فارسی قوالی - غالب کی فارسی غزل آہنگ
کے ساتھ۔

فارسی غزل

دل برد و حق آن است کہ دیر نتوان گفت

بے داد تو اں دید و شکر نتوان گفت

در رزم گہش بادہ و ساغر نتوان گفت

رخشنده کی ساعد و گردن نتوان گفت

پیوستہ دید بادہ و ساقی نتوان خواہند

ہموارہ تراشدیت و آذر نتوان گفت

کاسے عجیب افتاد بدیں شیفتہ مارا

مومن نہ بود غالب و کافر نتوان گفت

سیدن تنسیرا

(مرزا غالب کا دیوان خانہ - مرزا کھوئے ہوئے انداز میں بیٹھے ہیں اُن کے دوست فضل حق خجہ آبادی داخل ہوئے ہیں) فضل حق - کیوں مرزا نوشہ کچھ کھوئے ہوئے سے نظر آتے ہو کیا بات ہے۔ غالب - مولوی صاحب نہ پوچھیے۔

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں

ورنہ کیا بات کر نہیں آتی۔

فضل حق - کیوں خیریت تو ہے کیا بات ہوئی۔ پنشن کا معاملہ تو طے ہو گیا نواب احمد بخش خان کے حصہ داروں میں تمہارا بھی نام ہے۔ ساڑھے سات سو سالانہ کی پنشن ملا کرے گی۔

غالب - یہ بات نہیں مولوی صاحب طبیعت میں عجیب سی وحشت ہے۔

جی چاہتا ہے گھر بار چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں۔ جہاں ہم سخن کوئی

نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے سینہ میں ایک آگ

لگی ہے۔ جو نہ لگائے لگتی ہے نہ بجھائے بنتی۔

فضل حق - ارے بھئی ہم تم سے تمہارا تازہ کلام سننے آئے تھے۔ پچھلے ماہ قلعہ

کے شاعرہ کو تم نے لوٹ لیا۔ غضب کی غزل کہی ہے۔ مرزا ہم
مانتے ہیں تمہاری استادی کو، تم طرزِ بیدل سے بھی نکل رہے
ہو۔ کیا غزل تھی واہ صاحب میں تو دیر تک سر دھنتا رہا۔
(پڑھتے ہیں)۔

کسی کو، بے کے دل کوئی نو اسخ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
اور کیا۔

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سیک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سر گراں کیوں
خصوصاً ان دو شعروں پر تو میں پھر ک کیا۔
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا بھی سنگ آساں کیوں ہو
اور

قفس میں مجھ سے روادِ چین کہتے نہ ڈر ہم دم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا اشیاں کیوں ہو
بادشاہ سلامت کے تیور بنا رہے تھے کہ ان کو یہ شعر
قفس میں مجھ سے روادِ چین کہتے نہ ڈر ہم دم۔ بہت پسند آیا۔

ہے بھی حقیقت۔ مغلیہ سلطنت کا دم خم ختم ہو گیا اب تو بڑے نام
بادشاہت ہے۔ پھر بھی یہ یاد رکھنے کی نہیں چاہتا کہ۔

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آتیاں کیوں ہو
غالب۔ شکریہ۔ آپ ہی کے ایما سے تو میں نے سہل نگاری یا یوں کہئے
سہل انگاری شروع کی ہے۔ پہلے تلاش مضموں میں سرکھپا تھا
اب معلوم ہوتا ہے جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر باہر آرہے ہیں۔
ایک غزل اور بنائی ہے سنئے گا۔

فضل حق۔ کیوں نہیں۔

غالب۔ سنئے۔ (ستانے کے انداز میں)

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گرا جائے ہے مجھ سے
جفا نہیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے
خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر الہی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے
وہ بدحو اور میری داستان عشق طو لانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے مجھ سے

تکلف برطرف نظر لگی ہیں ہی سہی لیکن
 وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
 قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
 وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے
 (اسی اثنائیں کبھی سر کے اشارے سے کبھی واہ واہ کہہ کر
 فضل حق داد دیتے ہیں)۔

فضل حق۔ کیا کلام ہے۔ بھلیاں بھری ہوئی ہیں۔ اچھا بھٹی چل رہے۔
 یار زندہ صحبت باقی۔

(فضل حق چلے جاتے ہیں غالب اضطراب میں ٹہلتے رہتے
 ہیں۔ دروازہ پر آہٹ ہوتی ہے۔ بیگم داخل ہوتی ہیں)
بیگم۔ نصیب دشمنان مزاج کیسا ہے۔ آج آپ زنان خانے میں
 نہیں آئے۔

غالب۔ آؤ بیگم آؤ۔ خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
بیگم۔ میں پوچھتی ہوں آپ کو کبھی اس شعر و شاعری کے مشعلے سے
 نجات بھی ملے گی یا نہیں۔ اب تو مجھ نگوڑی سے بھی باتیں شاعری
 میں ہوتے لگیں۔

غالب۔ واہ بیگم تم تو میری شاعری کی جان ہو۔ تم سے نہیں تو

کسی اور نگوڑی سے باتیں کروں۔ سنو اس وقت میری طبیعت
بہت پریشان ہے کوئی ایسی تدبیر کرو کہ طبیعت بہل جائے
ورنہ جانتی ہو میں کیا کروں گا۔ داروغہ کو بلوا کر ابھی دن ہی
میں دو۔۔۔۔۔ جا۔۔۔۔۔ جام

بیگم۔ کیا کہا۔ اب دن میں بھی شراب پینی چاہتے ہو میں کہے دیتی
ہوں یہ باتیں ٹھیک نہیں۔ ابا جان مرحوم کے بعد تو آپ
بہت ہی کھل کھیلے ہیں۔ ہاں میں یہ بتانے آئی تھی کہ میں یہ
کرایہ کا مکان دیکھ آئی مجھے تو پسند نہیں۔
غالب۔ کیوں۔ پسند کیوں نہیں۔

بیگم۔ سنتی ہوں اس میں بلا ہے۔
غالب۔ تو یہ کیجئے بیگم۔ بھلا آپ سے بھی بڑھ کر کوئی بلا ہو سکتی ہے۔
فکر نہ کیجئے جب آپ جا کر رہنے لگیں گی وہ بلا خود بخود بھاگ
جائے گی ایک بلا کے سامنے دوسری بلا نہیں رہ سکتی۔ بھلا
کہیں ایک میدان میں دو تلواریں سہا سکتی ہیں۔

بیگم۔ پھر اول فول شروع ہو گئی۔ دوسری اطلاع یہ دینے آئی
تھی کہ وہ میری دوست آئی ہے۔

۱۔ لطیفہ یادگار غالب۔

غالب۔ آپ کی دوست ہو یا دشمن مجھ سے مطلب۔
 بیگم۔ آپ ہی تو کہتے تھے کبھی وہ آئے تو آپ کو اطلاع دوں۔ ابھی
 آپ نے کہا طبیعت گھبراہی ہے میں نے سوچا اس سے آپ
 کی کوئی غزل گوا کر سنیں گے۔ وگھر ٹھی طبیعت بہل جائے گی۔
 وہ اپنے ساتھ سنار بھی اٹھا لائی ہے۔ کہئے تو بلا لوں۔
 غالب۔ طبیعت مکر ہے۔ خیر تمہاری خواہش ہے تو بلا لو ہم نے
 ایک نئی غزل بنائی ہے۔ تمہاری سہیلی سے گوا کر سنیں گے۔
 بیگم۔ وفادار۔ اے وفادار۔ ذرا ان بیگم صاحبہ کو یہاں بلا لاؤ۔
 ہاں ان کے ساتھ جو سامان ہے وہ بھی لیتی آنا۔
 (وفادار جا کر لڑکی کو ساتھ لاتی ہے)

لڑکی۔ بزدلی تسلیم بجا لاتی ہے۔
 غالب۔ تسلیمات کہئے کیسے رحمت کی، شعر تو بیگم کے لئے لکھا ہے۔ خیر
 آپ ان کی سہیلی ہیں نا آپ کی نذر کرتا ہوں (شرارت سے
 ہنستے ہوئے)۔

-
- ۱۔ اس زمانے میں غزل لکھنا نہیں ”غزل بنانا محاورہ تھا۔“
 - ۲۔ ”وفادار“ غالب کی ملازمہ کا نام۔ ملاحظہ کیجئے
 ”یادگار غالب“۔

سر پر سے آنچل ہٹا کر سنئے۔
 مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
 خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
 لڑکی۔ کیا۔

غالب۔
 ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
 تم ہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
 بیگم۔ تو یہ یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ بس شاعری میں باتیں کئے چلے
 جا رہے ہیں۔

غالب۔ دیکھا بھئی تم نے ہماری بیگم صاحبہ کو۔ ہم نے ان ہی کے لئے
 تو کہا ہے۔

بلائے جان ہے غالب اس کی ہر بات
 عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا
 (لڑکی ہنستی ہے)

غالب۔ میں پوچھتا ہوں یہ غنچہ ناشگفتہ وا ہو گا یا نہیں۔
 بیگم۔ لو اب شاعری چھوڑ کر فارسی میں گفتگو کرنے لگے۔ آپ سیدھی
 سادھی اردو میں باتیں کیوں نہیں کرتے۔ اچھا نکالئے۔ آپ کی
 غزل آج ان سے سنیں گے۔ بھئی سادہ واک زمانہ سے ان کا

اصل یہ ہے کہ ان کی غزل تم گاکر سناؤ۔

غالب - ان سے کیوں پوچھتی ہو۔ مجھ سے پوچھو..... لو
(کاغذ ہاتھ بڑھا کر دیتے ہیں۔)

لڑکی - پہلے تحت اللفظ پڑھتی ہے۔ پھر ساز ٹھیک کر کے گاتی ہے۔

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
میں بلا تاتوں اس کو مگر اے جذبہ دل
اس پہ بن آئے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں ہی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں۔ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

(لڑکی کے گانے سے سماں بندہ جاتا ہے۔ غالب مضطرب
 نظر آتے ہیں اس اثنا میں کبھی ٹہلتے ہیں کبھی تکیہ سینہ سے
 لگا لیتے ہیں بیگم چھالیہ کاٹنے میں مصروف رہتی ہیں)
 غالب۔ واہ جناب واہ۔

ساتی یہ جلوہ دشمن ایماں و آگہی
 مضطرب یہ نغمہ رہزن تکبیر و ہوش ہے
 سچ ہے صاحب سچ۔

تماشا گئے گلشن تمنائے چیدن
 بہار آفرینا گنتہ گار ہیں ہسم
 لڑکی سے مخاطب ہو کر۔ ارے بھئی اس غزل کے متعلق آپ
 بھی تو کچھ کہیے۔

کچھ نہ کہیے تو دشنام ہی سہی
 آخر زبان تو رکھتے ہوں گے کہہ نہیں
 بیگم۔ سنو تو وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

لڑکی۔ آپ جیسے عظیم شاعر کے سامنے میرزا بان نہیں کھلتی۔ میں تو
 اسے شاعری نہیں ”ساحری“ سمجھتی ہوں (بیکایک) مرزا صاحب
 آپ نے کبھی کسی کے لئے مرثیہ بھی لکھا ہے۔

غالب - (شرارت سے بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے) اس کی ابھی تک
نوبت ہی نہیں آئی - اور نہ آنے کی توقع ہے۔

بیگم - ٹھیک ہی تو کہتی ہیں یہ - مرثیے لکھو تو نجات کی راہ مل جا
گی - سنا ہے جو آنکھ ”غم حسین“ میں تر ہو جائے اس پر دوزخ
کی آگ حرام ہے۔

(لڑکی اور غالب مسکراتے ہیں)
لڑکی - بہت دیر ہو گئی - اماں انتظار کر رہی ہوں گی - بندی اجازت
چاہتی ہے۔

غالب - اتنی جلدی -
بیگم - (ملازمہ کو آواز دیتی ہیں) وفادار - کہا روں سے کہو پیس
لے آئیں۔

غالب - کیا خدا حافظ کہنے کی ضرورت ہے - میں تو اپنی امانت خدا
کو بھی سونپتے ہوئے ڈرتا ہوں۔

بیگم - یہ آپ کی امانت کب سے ہو گئی؟
غالب - چلو میری نہ سہی تمہاری سہی بیگم مجھ میں اور تم میں کوئی فرق ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
جیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

(لڑکی چلی جاتی ہے)

غالب۔ شکریہ بیگم اس وقت طبیعت بہت گجرا رہی تھی تمہاری
اس سہیلی کی آمد سے تھوڑی دیر کے لئے طبیعت بہل گئی۔

مگر یہ لڑکی مجھے مریض نظر آتی ہے میں تو کہنا چاہتا تھا۔

”ہو کے عاشق وہ پری روا اور نازک بن گیا

دنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے“

تمہارے ڈر سے چپکا ہو رہا۔ اس سے کہو حکیم مومن خان مومن

سے رجوع ہو جائے۔

بیگم۔ مغل جان کہتی تھیں انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا سنا ہے

یہ دن بھر کمرے میں منہ اوندھائے پڑی رہتی ہے۔ نہ ہنسنا

نہ بولنا۔ مغل جان اس کی صحت کی طرف سے بہت متفکر

رہتی ہیں۔

غالب۔ (اپنے آپ)

پاؤں اس چار گرہ کیڑے کی قسمت غالب

جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

سین چوتھا

(غالب کی محل سرا۔ دیوان خانہ۔ غالب سیاہ اچکن میں
 کھوئے کھوئے بیٹھے ہیں۔ سر کے بال پریشان ہیں۔ سامنے
 صراحی اور گلاس رکھا ہوا ہے۔ صراحی سے جام میں شراب
 اندیلنا چاہتے ہیں۔ ان کا ملازم کلیان سامنے آکر ان کے
 ہاتھ سے صراحی لینی چاہتا ہے۔) (کلیان کی طرف دیکھ کر)
 غالب۔ میاں کلیاں۔ اب تم بھی میری شراب نوشی کے مانع ہونے لگے۔
 اماں مئے سے غرض نشاط ہے کس روسیاء کو
 ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے
 کلیان۔ بیگم صاحبہ مغل جان کے گھر سے لوٹیں یا نہیں؟
 (آپ ہی آپ)

تاب لاتے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جان غریب

سہلنے لگتے ہیں۔)

جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
 میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

(دستک کی آواز)

کلیان - کون ہے۔

منشی نبی بخش حقیر - مرزا صاحب سے کہو حقیر آیا ہے۔
غالب - آ جاؤ منشی آ جاؤ۔

(منشی نبی بخش داخل ہوتے ہیں۔ منشی صاحب کا لباس اس زمانے کے متوسط آدمی کا سا ہے۔ چرخہ تر کی ٹوپی۔ تنگ مہری کا پاجامہ ہاتھ میں چاندی کی مسٹھ والا عصا۔

(منشی حیرانی سے غالب کو دیکھتے ہیں)

منشی نبی بخش حضور - یہ پریشان حالی کس لئے۔ کیا بات ہے۔
غالب - منشی میں زندگی کو بازیچہ اطفال سمجھتا تھا۔ آج مجھے معلوم ہوا غم کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے جب تک "دم" ہے تب تک "عسم" ہے۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
منشی موت کتنی بھیانک شے ہے۔ جو سب نشے کا فور کر دیتی ہے۔
پھول کھلنے سے پہلے آخر کیوں مرجھاتے ہیں۔ ہیں عشق کو خلل
دماغ سمجھتا تھا۔ آہ۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ فنظر ملے
 حوراں خلد میں تیری صورت مگر ملے
 شعر سنو گے۔ تم شعر سننے آئے تھے نا۔ لڑ سنو
 آتشِ دورخ میں یہ گرمی کہاں
 سوزِ غم ہائے نہانی ادر ہے

منشی نبی بخش۔ اس بے قراری کا باعث
 غالب۔ نہ پوچھو۔

گلشن میں بند و بست برنگِ دیگر ہے آج
 قمری کا طوقِ حلقہٴ بیدار ہے آج
 آج ہے ایک پارہٴ دل ہر فغاں کے ساتھ
 تنہا نفسِ کمتد شکارِ اثر ہے آج
 اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
 سیلابِ گریہ دریئے دیوارِ و در ہے آج

(غزل پڑھنے کے بعد)

منشی ایک کام کرو گے۔

منشی نبی بخش۔ فرمائیے۔

غالب۔ کلیانِ قلمِ ذواتِ لا جو میں لکھوا نا چاہتا ہوں لکھو شعر لکھواتے

جاتے ہیں۔

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
 کیا ہوئی ظالم تیری غفلت شعاری ہائے ہائے
 ترے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
 تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہائے ہائے
 کیوں میری غم خواری کی کا تجھ کو آیا تھا خیال
 دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے
 عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
 عمر بھر کو بھی تو نہیں پائی داری ہائے ہائے
 شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے
 منشی نبی بخش حقیر (قلم رکھ کر) حضور میں نے سنا ہے۔ آپ کا ارادہ دہلی
 سے باہر جانے کا ہے۔

غالب۔ ہاں میاں۔ اب دہلی میں دل نہیں لگتا۔ قلندر^۱ی و آراوگی
 و اثیار و کرم کے جو داعیے میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں۔
 بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاکھ
 ہاتھ میں یوں اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹہن کا لوٹا مع صوت
 ۱۔ منقول از خطوط غالب۔

کی رسی کے ٹکالوں اور پیادہ پاچل دوں۔ کبھی شیراز جانا کلا
 کبھی مصر جا کھڑا کبھی نجف جا پہنچا۔ مصر اور شیراز تو قسمت
 میں نہیں کلکتہ البتہ جانا چاہتا ہوں۔ اخبار آئینہ اسکندر کے
 مدیر مولوی سراج الدین کا ایک زمانہ سے تقاضا ہے۔
 منشی نبی بخش حقیر۔ بندہ بھی کول جا رہا ہے۔ واپسی کے بعد اللہ شہداء اللہ
 ملاقات ہوگی (منشی نبی بخش جاتے ہیں)
 ڈراپ سین

سین پانچواں (کلکتہ)

(مولوی سراج الدین احمد مدیر ”آئینہ اسکندر“ کا مکان حجرہ
 میں صوفے پرٹے ہوئے ہیں۔ سلسلے سے کرسیاں بھی رکھی ہیں
 دوسری طرف کھانے کی میز جس کے اطراف کرسیاں رکھی ہیں۔
 صوفے پر ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ مولوی سراج الدین
 ”آئینہ اسکندر“ کے مدیر ہیں۔ ملازم داخل ہوتا ہے۔ سراج الدین
 پیچوان سے شغل فرما رہے ہیں۔)
 (دعوت کا سامنا نظر پیش کیا جائے)

(دعوت کا سامنظر پیش کیا جائے)

ملازم۔ حضور عزت آب کفایت خان سفیر ایرانی آرہے ہیں پیشوائی
کے لئے تشریف لے چلئے۔

(کفایت خان ایرانی لباس میں داخل ہوتا اور مولوی سراج الدین
سے مصافحہ کرتا ہے)

کفایت خان۔ برادر م سراج الدین وہ شاعر ہندی کہاں ہے جس کا
فارسی کلام ہمیں بہت پسند ہے۔ کیا وہ ابھی نہیں آئے۔

سراج الدین۔ اب آیا ہی چاہتے ہوں گے۔ آج میں نے چند اور احباب
کو کھانے پر بلا لیا ہے ایک میر حسن علی ہیں جو لندن میں ہندوستانی
کے پروفیسر جان شکسپیر کے ساتھ ہندوستانی زبان انگریز طلباء
کو سکھاتے ہیں۔ ان کی بیگم بھی آنے والی ہیں مسٹر حسن علی ہیں تو
انگریز کی ہندوستانی مسلمانوں میں بہت کھل مل گئی ہیں وہ

۱۔ ملاحظہ کیجئے غالب نامہ صفحہ ۳۲، میر حسن علی شاہ اعظمی لندن میں ہندوستانی
کے پروفیسر شکسپیر کے معاون ہو کر رہے تھے رابیت سے واپسی پر ایک علی گھر آنے
کی انگریز خاتون سے شادی کر کے اسے ساتھ لائے تھے مرزا حسن علی تقریباً
۱۲ سال ہندوستان میں رہیں اس اثنا میں ہندوستانی مسلمانوں پر انھوں
نے ایک مفصل کتاب لکھی ہے جس کا نیا ایڈیشن حال میں آکسفورڈ یونیورسٹی
پریس کی طرف سے نکلا ہے۔ کلکتہ میں غالب کی حسن علی صاحب کے ملاقات ہوئی تھی۔

ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق ایک کتاب لکھ رہی ہیں بہت
ذہین خاتون ہیں۔

(ملازم داخل ہوتا ہے۔)

ملازم حضور وہ دلی والے مہمان آگئے۔ ان کے ساتھ نواب کرم حسین خان
بھی ہیں۔

(مولوی سراج الدین احمد پیشواٹی کے لئے جاتے ہیں)

(اس اثناء میں مسٹر و مسٹر حسن علی بھی آ جاتے ہیں۔ مسٹر حسن علی
و کٹوریائی عہد کا انگریزی لباس پہنے ہوئے ہیں۔)
(غالب مالیدہ کا چغہ اور سیاہ پوستین کی چوگوشہ لمبی لٹپی
پہنے ہوئے آتے ہیں۔)

غالب۔ (کانا پھوسی کے انداز میں) اماں یا سراج الدین تم نے مجھے
نمائش کا جیوان بنا ڈالا اتنے سارے لوگوں کو اکٹھا کر لیا۔
(مولوی سراج الدین خاموشی کا اشارہ کرتے ہیں) زور سے
تشریف لئیے مرزا صاحب دیکھئے یہ سب آپ سے ملنے کے
مشاق ہیں مہمانوں کا یکے بعد دیگرے تعارف کرایا جاتا ہے
یہ ہیں ہمارے ایرانی سفیر وہ آپ کے فارسی کلام کے بڑے
مداح ہیں (مولوی حسن علی کی طرف رخ کر کے) آپ ہیں

مولوی حسن علی۔ ہیں تو لکھنؤ کے لیکن ادھر کچھ دلوں سے لہرن
میں قیام ہے۔ جہاں یہ طلباء کو ہندوستانی پڑھاتے ہیں پتہ ہے
وہاں وہ آپ کا کلام طلباء کو پڑھاتے ہیں (غالب مسکرا کر
ہاتھ ملاتے ہیں)

(مسٹر حسن علی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہیں۔ غالب ٹھٹک
جاتے ہیں پھر بڑے شوق سے اپنا ہاتھ آگے کر دیتے ہیں)
(سراج الدین کی طرف دیکھ کر)

اماں تمہارا دیوان خانہ کا ہے کوہے اخبار ”آئینہ اسکندر“ کا
چلتا پھرتا دفتر ہے سب سنتے ہیں کھانے کے لئے جاتے ہیں
کھانے کے دوران)

مسٹر حسن علی۔ ول مرزا صاحب۔ ہمیں اردو نہیں آتی لیکن مسٹر علی ہمیں تمہارا
کلام کا ترجمہ سناتا ہے تو ہمیں بہت پسند آتا ہے۔ ہمیں معلوم
ہوا تھا کہ تم نے کوئین وکٹوریہ کو بھی اپنا ”شعر“ بھیجا ہے
(غالب ہنستے ہیں)۔

غالب۔ ہاں بیگم صاحب (رک کر) آپ کو بیگم صاحب کہتا چلتا نہیں۔
بیگم صاحب بھی آپ معلوم نہیں ہوئیں۔ میں آپ کو ”بی بی“

۱۔ غالب کا ایک قصیدہ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ہے۔

کہوں گا۔ ہمارے ہاں بزرگ مرد اپنے سے کم عمر خواتین کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں اس میں اپنا بریت پائی جاتی ہے۔ ہاں تو ”بنی بنی“ تم نے کہا تھا کہ ہم نے اپنا ”شیر“ (شعر) بھیجا تھا۔ تم جانتی ہو ہم خود شیر ہیں۔ ہمارا نام اسد اللہ خان ”اسد“ کے معنے ”شیر“ ہیں ایک ”شیر“ دوسرے شیر کو اور کیا تحفہ بھیج سکتا ہے۔

کفایت خان۔ برادرم آپ کبھی ایران آئیے۔ آپ تو ہم ایرانیوں جیسی فارسی لکھتے ہیں۔ میں نے آپ کی ”پنج آہنگ“ دیکھی۔ غالب۔ خواہش تو تھی کہ ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسی لے لٹکا لو اور پیادہ پا چل دوں کبھی شیراز جا نکلا کبھی مصر میں جا ٹھہرا کبھی نجف جا پہنچا۔ ”قلندری و آزادی کے جو داعیے میرے خالق نے مجھے ہیں بھر دیئے ہیں یہ قدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے۔ (کھانا ختم ہو جاتا ہے سب اکڑ کر بیویں اور صوفوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

(مولوی سراج اعلان کرتے ہیں)

مے سیر ایرانی جس سے غالب کی کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی۔ ملاحظہ کیجئے ”غالب نامہ“ ”یادگار غالب“ ”سیر المصنفین“۔

سراج الدین۔ آج شاعر بے عدیل۔ نثار بے مثل "مرزا غالب دہلوی"
 کی آمد کے موقع پر میں نے موسیقی کا بھی اشتظام کیا ہے امید ہے
 کہ آپ لوگ تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں گے اور موسیقی سماعت
 فرمائیں گے۔

(سازندوں کے ساتھ ایک حسین و جمیل طوائف آتی ہے)
 سلیقہ سے کورنش بجالاتی ہے پھر سراج الدین احمد سے مخاطب
 ہو کر پوچھتی ہے۔
 اجازت ہے۔

سراج سر کے اشارے سے رضا مندی ظاہر کرتے ہیں۔ طوائف
 مرزا غالب کی غزل شروع کرتی ہے۔

غزل

مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کئے ہوئے
 جوش قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے
 بام دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
 نظارہ و خیال کا سامان کئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
 بندار کا صنم کدہ ویران کئے ہوئے
 پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
 عرض متاع عقل و دل و جاں کئے ہوئے
 پھر چاہتا ہوں نامہ دل دار کھولنا
 جان نذر دل فریبی عنوان کئے ہوئے
 مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
 سرے سے تیز دشنہ مٹر گاں کئے ہوئے
 ایک تو بہار ناز کو تار کے ہے پھر نگاہ
 چہرہ فروغ مے سے گلستان کئے ہوئے
 پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
 سر زیر بار منت و زبان کئے ہوئے
 جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
 بیٹھے رہیں قصور جاناں کئے ہوئے
 غالب ہمیں نہ چھڑکے پھر جوش اشک ہوئے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوقاں کئے ہوئے
 (غالب پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مسر حسن علی بھی
 متاثر ہیں)۔

مسٹر حسن علی۔ مرزا جی۔ یہ عورت آپ کا کلام گوارہی ہے۔ (غالب اشراف سے سر ہلاتے ہیں) ہم کو بھی کچھ سمجھ پڑ رہا ہے۔ ہم گھر جا کر مسٹر علی سے کہیں گے کہ اس کا ترجمہ کر کے ہمیں دیں اس میں آپ نے پاسٹ میرا مطلب گزرے ہوئے زمانہ کو یاد کیا ہے نا۔ ہمیں بھی اپنا پاسٹ یاد آرہا ہے۔

(غزل ختم ہو جاتی ہے)

غالب۔ بہت خوب ایک کشتی میں ایک اشرافی طوائف کی نذر کرتے ہیں۔ بی صاحبہ آپ نے ہماری غزل بڑی عمدگی سے سنائی۔ آپ کو استاد ذوق کا بھی کلام یاد ہے۔

طوائف۔ استاد ذوق کون؟

غالب۔ تو تم نہیں جانتیں استاد شاہ ہیں بھئی۔

سراج الدین۔ مرزا صاحب۔ استاد کی شاعری لال قلعہ کی چہار دیواری میں بہت گونجی دور دراز کے خطوں پر تو آپ ہی کے نام کا سکھ چلتا ہے۔

(غالب مسکراتے لگتے ہیں)

(خاص دان میں گلو ریاں آئی ہیں اس کے ساتھ چکنی دلی بھی ہے) نواب کریم حسین۔ بھئی کچھ بھی ہو ہم تو استاد ذوق کی زبان ذاتی کے قائل ہیں اچھا مرزا (چکنی دلی حبیلی پر رکھ کر) ہم تو اس وقت آپ کی

شاعری کا دیوانیں گے جب آپ فی البدیہہ اہل پرچند اشعار کہہ دیں
آپ بھی فیضی پر اعتراض کر رہے تھے نا جس نے اکبر بادشاہ
کے سامنے دُعا فی سوشعر کا قصیدہ فی البدیہہ سنایا تھا۔

غالب۔ "نواب صاحب" اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود
ہیں کہ دو چار شعر تو ہر موقع پر ہا ہٹا کہہ سکتے ہیں "نیچے
آپ چکنی ڈلی پر اشعار سنا چاہتے تھے نا سنئے۔
(فی البدیہہ یہ پڑھتے ہیں)

ہے جو صاحب کے کف دست پر یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بہ دنداں ہے اسے کیا لکھئے
ناطقہ سر پر گریباں ہے اسے کیا کہیے
خاتم دست سلیمان کے مُشاہدہ کہیے
سرپتیاں پری زاد سے مانا کہیے
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجئے
کیوں اسے مرد مک دیدہ عنقا کہیے

۱۔ یہ جملہ غالب کے خطوط میں ہے۔

کیوں اسے تکمہ پیراہن لیلیٰ کہئے
 کیوں اسے نقش پئے خامہ مانی کہئے
 بندہ پندور کے کف دست کو دل کیجئے فرض
 اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے
 (سب حاضرین واہ مرزا واہ کمال کر دیا بحسین کے نعرے)
 (پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ

(بڑھاپا)

سین پہلا

(دہلی)

غالب کی محل سرا۔ اس دفعہ غالب کے چہرے پر ڈاڑھی ہو
جو نہ زیادہ لمبی ہو نہ مولویانہ طرز کی دو ڈھائی انگلی کی
ڈاڑھی۔ سر منڈا ہوا۔ بر کا پاجامہ کھلی آستین کا الفی گرین
کا کرتا۔ اس پر مرزائی۔ غالب غرق مطالعہ ہیں۔ ہاتھ میں
پنسل ہے جس سے ایک بیاض پر کچھ نوٹ کرتے جاتے ہیں
(دستک کی آواز)

کلیان جا کر دیکھ آتا ہے۔

کلیان۔ حضور حکیم احسن اللہ خان صاحب اور مولوی فضل حق صاحب
آئے ہیں۔

(احسن اشد خان اور فضل حق داخل ہوتے ہیں)

احسن اشد خان - مبارک مرزا بادشاہ سلامت نے تمہیں شاہی مورخ مقرر کیا ہے۔ کل ہی فرمان جاری ہوا ہے۔ ہم سمجھ رہے تھے تم ہمیں اطلاع دو گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کے در سے اپنے دوستوں کو بھی اطلاع نہیں دی۔ (کلیان سے) بھابی سے کہنا ایک زوردار دعوت کا انتظام کریں۔

غالب - بھائیو۔ آپ کی مبارک باز کا شکریہ لیکن اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ شعر پڑھتے ہیں۔

میں زوال آگاہ اجزا افریش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ راہ گزار بادیوں

یہاں شاہ ظفر کی شاعری چراغ رہ گزر رہے مولانا۔ جسے باد بھانے پر تلی ہے۔ پھر تہنیت کیسی اور مبارک باد کیوں۔
سچ تو یہ ہے کہ اہل ہمت کے نزدیک دنیا اور حشمت دنیا بے کار ہے۔
(فضل حق کی طرف مڑ کر)

مولانا میں آج کل تصوف کے متعلق کتابیں پڑھ رہا ہوں ایک شعر موزوں ہوا ہے۔

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مینجانہ خالی ہے

فضل حق۔ تم پھر مشکل پسندی پر اُتر آئے اس شعر کا مطلب میرے تو
پلے نہیں پڑتا۔

غالب۔ تو مجھ سے سنئے۔ تاویل "سے میں نے" خیال "کو اچھوتا بنا دیا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر اہل ہمت کا وجود ہوتا جو دنیا کو
محض ناپچیز سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دنیا ویران
ہو جاتی۔ پس جانتا چاہیئے کہ عالم اسی سبب آباد نظر آتا ہے کہ
اہل ہمت مفقود ہیں حسب طرح مینخانے میں کوئی مینجوار نہیں ہے
اس طرح عالم کا آباد ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں اہل ہمت
نہیں ہیں۔

احسن اللہ خان۔ خوب بھائی خوب۔ آج کل تو تمہارے اشعار دلوں کو
زیر و زیر کئے دے رہے ہیں۔ یہ تاثیر کیسے پیدا ہوئی۔

غالب۔ (فضل حق کی طرف اشارہ کر کے) سب مولانا کا فیض ہے جنہوں نے
مجھے عشق مجازی کے چکر سے نکال کر عشق حقیقی کی طرف مائل کر دیا۔
سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک میں نے دنیا دیکھی تھی اسے برتا اور پرکھا
نہیں تھا۔ اب بحر بات نے میری نظر میں وسعت پیدا کر دی
زندگی نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ بہت کچھ مولانا۔

احسن اللہ خان۔ مرزا میں دیکھتا ہوں آج تم پر بری طرح ہنیدگی چھائی

ہوئی ہے۔ خیر۔ یہ بھی تمہارا ایک انداز ہے کام کی بات یہ ہے
 کہ لوہار و والوں کے مقابلے میں ایک طرح سے تم جیت گئے۔
 تمہاری پٹن کا تصفیہ ہو گیا۔ لیکن تو اب شمس الدین خان تمہیں
 صرف ایک تہائی یعنی دس ہزار میں سے تین ہزار بھی دینا نہیں
 چاہتے بلکہ صرف ساڑھے سات سو دینا چاہتے ہیں۔

(فصل حق اس دوران میں مونڈھے پر سے ایک موٹی کتاب
 اٹھاتے ہیں) نام دیکھ کر۔

فصل حق۔ یہ کیا ہے۔

غالب۔ برہان قاطع۔

فصل حق۔ خوب تو تم بھی قاتل کے قاتل ہو۔

غالب۔ جی نہیں۔ میں قاتل نہیں قاتل کا قاتل ہوں۔ کیا کیا خرافات
 لکھ گیا ہے کم بخت۔ چاہتا ہوں "قاطع برہان" لکھ کر اس کا
 سب پل کھول دوں۔

فصل حق۔ ارے میاں کو تو ال شہر اس کا بڑا طرف دار ہے۔ تم سے اس

کا بدلہ نہ چکایا ہے گا۔ سنا ایک محفل میں کہہ رہا تھا مرزا نوشہ

کی "ولاکھ کی عزت انب میں خاک میں ملا سکتا ہوں۔ مجھے خاطر

میں نہیں لاتے۔ وہ قلم کے دھنی ہیں تو میں بھی "ساحب سیف"

ہوں۔ وہ ابھی تک زلفوں میں اسیر رہے ابھیں زنجیروں میں
 اسیر نہ کر دوں تو نام نہیں۔ آج دہلی کی سر زمین میرے قدموں
 تلے لرز رہی ہے۔ ایک مرتبہ تو جیل خانے کی ہوا اکھلا چکا ہوں
 غالب۔ ارے میاں ہوا کرے۔ یہاں کس ”بھڑوٹے“ کو اس کی پرواہ ہے
 احسن اللہ خان۔ ہٹاؤ اس قصے کو۔ ایک مرتبہ تو ہاتھ صاف کر چکا
 ہے تمہارا کیا بگڑا اب بتاؤ کل کے قلعہ والے مشاعرے
 میں آ رہے ہو یا نہیں۔

غالب۔ ہاں آنا ہی پڑے گا۔ وہ دن گئے کہ کہتے تھے ”نوکر“ نہیں
 ہوں میں۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو پھر کل ملاقات رہے گی)

-
- ۱۔ غالب کی اسیری کی طرف اشارہ ہے۔
 - ۲۔ غالب کے کردار کو پوری طرح اجاگر کرنے اس طرح کے الفاظ
 بھی استعمال کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ غالب کے خطوط میں تک اس طرح
 کے لفظ ملتے ہیں۔

سین دوسرا

مقام لال قلعہ - صدر میں تخت طاؤس - چند درباری بیٹھے ہوئے
 ہیں - نقیب چوب دار کھڑے ہیں - نقیب آواز لگاتا ہے اور
 اہم درباری یکے بعد دیگرے جمع ہوتے جاتے ہیں)
 چوب دار - یا ملاحظہ با ادب ہو شیار - وزیر باتذیر مشیر بے نظیر نواب
 احسن اللہ خان تشریف فرما ہوتے ہیں -

چوب دار - ادب سے نگاہ رو برو استاد شاہ سلطان الشعراء قاقائی ہند
 شیخ ابراہیم ذوق ورد فرما ہو رہے ہیں -
 (ذوق آکر ادب سے بیٹھ جاتے ہیں -)
 چوب دار - نجم الدولہ دیر الملک نظام جنگ مرزا اسد اللہ خان غالب
 تشریف لارہے ہیں -

(غالب ذوق کے قریب بیٹھ جاتے ہیں)

(ذوق غالب سے مخاطب ہو کر)

ذوق - مبارک مرزا فوشہ - اب تو تم شاہی مورخ بن گئے - کلام میں
 صفائی بھی پیدا ہو گئی کیوں نہ ہو ہم جیسے بزرگوں کا طفیل ہے -

غالب - (مسکرا کر) بجا فرمایا۔ میں بھلا آپ کی تقلید نہیں کروں گا۔
 تو کیا میاں ہڈ ہڈ کی تقلید کروں گا۔ اچھا استاد یہ بتاؤ
 ”سہرا“ تیار ہو گیا۔ قصیدہ تو تیار ہو گا۔ خاقانی ہند جو ٹھہرے۔
 ذوق - یہ بات نہیں بھائی ہم جو خاقانی ہند بنے تو آپ جیسے قدر والوں
 کی قدر افزائی کی بدولت اور حضور عالم پناہ کے طفیل ورنہ
 ”من آنم کہ من دامن“ بھئی صاف بات تو یہ ہے کہ ہم
 قصیدے کے میدان میں سودا کو اپنا ”گرو“ مانتے ہیں!
 ویسے ان کی غزلیات بھی بری نہیں۔

غالب - میر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔
 ذوق - میر بھی اچھے شاعر ہیں لیکن سودا کی بات ہی اور ہے۔
 غالب - لیجئے! میں آپ کو میری سمجھتا تھا آپ تو ”سودائی“ نکلے۔
 (حاضرین قہقہہ لگاتے ہیں)

ذوق - مرزا تو اپنی فقرہ بازی سے کبھی باز نہیں آئے گا۔ میاں
 شاہی دربار ہے۔ آداب شاہی کا کچھ تو لحاظ کرو۔
 غالب - بجا فرمایا۔

(اس اثناء میں چوب دار آواز لگاتا ہے۔)

چوب دار - با ادب با ملاحظہ ولی عہد سلطنت ہند تشریف لارہے ہیں۔
 ۱ (لطیفہ غالب)

(ولی عہد داخل ہوتے ہیں) اس کے بعد
چوہ دار۔ باادب با ملاحظہ نگاہ رو برو۔ بادشاہ عالی جاہ فرمانروا
ہند قدم رنجہ فرما رہے ہیں۔

(بادشاہ سلامت آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ شاہی منصوبہ بھی
آن کر گھڑا ہو جاتا ہے)

یہاں شاہ ظفر۔ (بلند آواز سے) چونکہ آج ولی عہد بلند اقبال کی شادی
کے بعد محفل جمی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مبارک موقع
پر سہرے پر صبح جائیں۔ ہم استاد ذوق سے خواہش کرتے ہیں
کہ وہ پہلے اپنا لکھا ہوا سہرا لائیں۔

ذوق اپنا لکھا ہوا سہرا سناتے ہیں تحت السلف

اے جواں نخت مبارک تجھے سر پر سہرا

آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

آج وہ دن ہے کہ لائے دراجسم سے ملک

کشتی زریں مہ نو کی رگا کر سہرا

یہ کہے صلی اللہ وہ کہے سبحان اللہ

دیکھے مکھڑے پہ تیرے جو مہ و اختر سہرا

تاجے اور بنی میں رہے اخلاص بہم

گوندھے سورہ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

درخوش آب مضامین سے بنا کر لایا
 واسطے تیرے تیرا ذوق ثنا گر سہرا
 (غالب کی طرف دیکھ کر)

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دے اُس کو
 دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا
 شاہی منتقدی۔ اعلیٰ حضرت کی خواہش ہے کہ مرزا نوشہ دبیر الملوک
 اسد اللہ خان غالب اپنا لکھا ہوا سہرا پڑھیں۔
 غالب۔

خوش ہوا ہے بخت کہ ہے آج تیرے سر پر سہرا
 باندھا شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
 کیا ہی اس چاند کے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
 ہے تیرے حسن دل افرور کا زلیور سہرا
 ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
 تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا
 رخ پہ نوشہ کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
 ہے رنگ ابر گہر بار سراسر سہرا
 جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
 گوندھے چو لوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

(ذوق کی طرف دیکھ کر۔)

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ کوئی بڑھکر سہرا
حکیم آغا جان عیش۔ کانا پھوسی کے انداز میں حکیم احسن اللہ خان سے
مرزا نوشہ تو استاد پر صاف چوٹ کر گئے۔ وہ دیکھئے حضور
کی تیوری پر بھی بل پڑ گئے ہیں۔ غالب کو داد نہیں ملتی۔
بہادر شاہ ظفر۔ خاموش ہیں محفل میں ناخوشگوار سکوت چھا گیا ہے۔
بہادر شاہ ظفر۔ مرزا نوشہ تم جانتے ہو ہم نے استاد کو سلطان الشعرا
بنایا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو ہم سخن فہم نہیں۔

غالب۔ بجا ارشاد ہوا۔

آغا جان عیش۔ حضور۔ شاہی دربار کا ہر ایک کو لحاظ رکھنا چاہیئے۔
(غالب کا غز پر پینل سے کچھ لکھتے جاتے ہیں)
پھر ظفر کے سامنے مودب کھڑے ہو کر۔

غالب۔ پیرو مرشد۔ اس موقع پر ایک قطعہ موزوں ہوا ہے۔
اجازت ہو تو وہ بھی پڑھ دوں۔

ظفر۔ کیسا قطعہ۔

آغا جان عیش۔ اب اس کی ضرورت بھی ہے۔

استاد ذوق۔ ہاں اس کی ضرورت ہے عالیجاہ۔ مرزا نوشہ کو اجازت
 دیجئے۔ ہم ان سے قطعہ سننے کے مشتاق ہیں۔
 ظفر۔ استاد کی خواہش ہے تو بہتر ہے سناؤ مرزا نوشہ۔
 (غالب جوش کے ساتھ پڑھتے ہیں)

سو پست سے ہے پیشہ آیا سپہ گری
 کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
 آزاد رہوں اور میرا مسلک ہر صلح کل
 ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
 مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
 استاد شہ سے ہو مجھے پُرغاش کا خیال
 یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
 مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
 مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
 سودا نہیں جنوں نہیں و حشت نہیں مجھے
 (خوب داد ملتی ہے) ذوق مسکرانے لگتے ہیں۔

چوب دار۔ محفل برخواست ہوتی ہے۔ (دوبارہ برخواست ہوتا ہے)۔
 ذوق۔ (ذوق اٹھتے ہوئے غالب سے ہاتھ ملا کر) مبارک مرزا نوشہ
 ہم تو تمہیں استاد ملتے ہیں۔ آج کامیدان تمہارے ہاتھ رہا۔
 غالب۔ (سکراتے ہوئے)۔

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
 روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں
 (محفل برخواست ہو جاتی ہے)

سین تیسرا

(دہلی۔ غدر کا زمانہ)

غالب تخت پر لکھنے میں مصروف ہیں۔ بیگم قریب ہی پریشان
 بیٹھی ہوئی ہیں۔ پس پر وہ گولیوں کی آوازیں۔
 بیگم۔ یا اللہ تیری خیر زور زور سے آیت کریمہ کا حفظ کرنے لگتی ہیں۔
 غالب۔ بیگم پریشانی کیسی اور حیرانی کیوں۔ ”موج خون“ سر سے
 گزر جانے دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ
 مارے جائیں گے نائیں موت سے نہیں ڈرتا۔ ہاں فقہانِ رحمت
 ۱۔ یہ جملہ غالب کے خطوط سے منقول ہے۔

سے ضرور گھبرا گیا ہوں۔ مرزا یوسف کی بھی خبر نہیں آئی۔
 نہ جانے میرا بھائی کس حال میں ہے۔ اتنی مجبوری ہے
 نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ گھبراؤ نہیں ہمارا محلہ محفوظ
 ہے۔ ہمارا جہ پٹیا لہ نے حکیم محمود خان کی وجہ سے دیوار
 کچھواد دی ہے۔ دیکھو خدا کو کیا منظور ہے۔ اگر قدرت کو یہی
 منظور ہے کہ ہم بھی گوروں کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں تو
 اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

(دیوار پر سے چند گورے سپاہی کو دکر گھر میں داخل ہوتے ہیں)
 بیگم۔ اشد تیری خیر کہہ کر چمخ مارتی ہیں۔

غالب اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور بیگم سے کہتے ہیں بیگم
 تم فوراً اندر چلی جاؤ۔

غالب۔ کون ہو تم لوگ۔

سپاہی۔ آپ کو کرنل براؤن نے باہر بلایا ہے۔

غالب۔ کیوں کرنل صاحب اندر نہیں آ سکتے۔

(اس اثناء میں کرنل براؤن اندر داخل ہوتے ہیں)

براؤن۔ ول ٹم مسلمان ہو۔

غالب۔ ہاں حضور مسلمان ضرور ہوں مگر ادا صا۔

براؤن۔ تم کیا بولا۔ ادھا کیسا ہوتا ہے۔

غالب۔ قبلہ شراب پیتا ہوں سو رہیں کھاتا۔

ایک سپاہی۔ صاحب یہ بے گناہ ہیں بغاوت سے ان کا کوئی تعلق نہیں
یہ یہاں کے مشہور شاعر ہیں۔

براؤن۔ اچا۔ ہم سمجھا تو تم ہی نے بہادر شاہ کے لئے سکھ لکھا تھا تم جلتے
ہو گوری شکر۔

غالب۔ صاحب یہ شخص (گوری شکر سپاہی کی طرف بتا کر) غلط کہتا ہے

بادشاہ شاعر۔ بادشاہ کے بیٹے شاعر۔ بادشاہ کے نوکر شاعر

خدا جانے کسے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں نے

کھڑکڑانا ہوتا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا گزرتا۔

براؤن۔ اچا ہم تمہیں گرفتار نہیں کرے گا۔

غالب۔ حضور ایک درخواست ہے۔ میرا بھائی مرزا یوسف بہت

بیمار ہے حضور مجھے اپنے ساتھ لے جا کر اس کے گھر پر چھوڑ دیں

تو مہربانی ہوگی۔

اچا چلو۔ (سب چلے جاتے ہیں)

غالب کی بیوی پردے کے باہر آ کر آیت کریمہ پڑھنے لگتی ہیں۔

۱۔ یہ واقعہ مالک رام نے اپنی کتاب ذکر غالب میں لکھا ہے۔

یا اللہ تیرا شکر۔

کلیان آکر

بیگم صاحبہ - یوسف میاں چل بسے - سرکاران کے کفن و جن کے بعد ایں گے۔

یا اللہ تیری خیر۔

(پردہ گرتا ہے)

سین چوتھا

(غدر کے بعد) دہلی - غالب کا مکان مکان کی حالت شکستہ۔ اسباب بھی معمولی ہے۔ بغیر قالین کے تخت بچھا ہے۔ (غالب خطوط پڑھنے میں مصروف ہیں کبھی کبھی حقہ سے شغل کرتے جاتے ہیں)۔

(کلیان داخل ہوتا ہے) - حضور نواب سردار مرزا صاحب ملنا چاہتے ہیں۔

۱۔ یہ عبارت غالب کے خط سے لی گئی ہے جو علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء میں چھپا ہے۔

غالب۔ آئیے نواب صاحب آئیے۔ کیسے زحمت کی۔ آپ یاد فرماتے تو
بندہ خود حاضر ہو جاتا۔

سر ارغزرا۔ ارے بھائی کہاں کی نوابی اور کیسی یاد فرمائی۔ اب تو دلی
میں اپنوں کی صورت ترس گئے۔ خبر ملی کہ تم زندہ اور صبح
سلامت ہو تو ملنے چلا آیا۔ چوسر کھیلے مدت ہوئی۔

غالب۔ بہت اچھا کیا۔

دونوں چوسر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کھیل شروع ہوتا ہے۔
ان کے چھینٹ کا فرغل دیکھ کر۔

غالب۔ نواب صاحب مجھے آپ کے فرغل کی چھینٹ بہت پسند آئی۔
نواب صاحب۔ تمہیں پسند ہے تو لے لو۔

غالب۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے لے لوں مگر جاڑے
کی شدت ہے۔ آپ گھر کیسے تشریف لے جائیں گے۔ (اٹھ کر
کھونٹی سے مالیدہ کا چغہ نکالتے ہیں) یہ ایک مالیدہ کا چغہ کئی
دنوں سے سلار رکھا ہے۔ پہننے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آپ میرا
یہ چغہ لے لیجئے اور مجھے اپنا فرغل عنایت کر دیجئے۔

(نواب صاحب کچھ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ فرغل لے لیتے ہیں)
(دستک کی آواز) کلیان جا کر دیکھتا ہے۔

غالب۔ کون ہے

کلیان۔ حضور منشی بنی بخش حقیقہ آئے ہیں۔

غالب۔ بھیج دو۔

سردار مرزا۔ مرزا کھیل میں طبیعت جتنے نہیں پار رہی ہے۔ مجھے تو اجازت

دو۔ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ (اٹھ کر چلے جاتے ہیں)

اس انشاء میں منشی بنی بخش حقیقہ داخل ہوتے ہیں۔

غالب۔ خوب آئے بھائی۔ شاگردوں کے خطوط آئے رکھے ہیں۔ ان کو

جواب لکھنے ہیں۔ ایک بہادر شاہ ظفر کیا ہاتھوں سے گیا۔

ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے شاگرد اہل پڑے۔ رام پور

کلکتہ۔ لکھنؤ۔ پنجاب۔ حیدرآباد۔ سب ہی جگہوں پر شاگرد

پیدا ہوئے۔ جیسے چیونٹیوں کا جھنڈا ایک کے ساتھ کئی چلے

آتے ہیں۔ اب تم آئے اب تم سے لکھواؤں گا۔ معلوم ہوتا

ہے یہ شعر میں نے تمہارے ہی لئے لکھا ہے۔

مگر لکھواؤں کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھواؤں

ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکھنے

(منشی شرم جاتے ہیں۔ عینک درست کرتے ہیں لکھنا رکھ کر

گلا صاف کرتے ہیں)

غالب۔ (شوخی سے) چل اے خامہ بسم اللہ (خطوط کا پلندا
 الٹ پلٹ کرتے جاتے ہیں) پہلے بخروج کو جواب لکھوائیں گے۔
 اور یہ کیا رئیس سورت غلام بابا خان کا خط ہے۔ لیجئے اس
 مسخرے نے گھڑی کے ساتھ پیسے بھی بھیجے ہیں۔ یعنی خوب
 معلوم ہوتا منشی آج صبح کوئی اچھی صورت دیجی ہے تب
 ہی رقم پر رقم چلی آ رہی ہے۔ چوسہ میں بھی بازی جیتی۔ مگر
 پہلے ہم اپنے چہیتے بخروج کو لکھوائیں گے۔ لکھو۔ نظام نے
 شہر کی خیریت پوچھی ہے۔

(لکھوانے کے انداز میں کہتے جاتے ہیں)

شہر! صحرا ہو گیا۔ اور اب کنویں جاتے رہے پانی کو ہر نایاب
 ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی والے
 اب تک یہاں کی زبان اچھا سمجھتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد
 بندہ خدا اردو بازار نہ رہا۔ اردو کہاں۔ اب شہر نہیں کہیں
 چھاوٹی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ ہنر۔

منشی۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) حضور کیا اچھی تصویر کھینچی ہے۔

غالب۔ (خط دیکھتے ہوئے) لو بھائی اب ہر گویا پال تفتہ کا بھی

جواب لکھ دو۔

! منقول خط غالب بنام بخروج۔

منشی - (کھنکھار کر) فرمائیے۔
غالب - لکھو۔

مجھ کو دیکھو نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست
نہ خوش ہوں نہ ناخوش۔ نہ مردہ نہ زندہ۔ جسے جاتا ہوں۔
باتیں کئے جاتا ہوں۔ روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ گاہ
پئے جاتا ہوں۔ جب موت آئے گی مر رہوں گا نہ شکر نہ شکایت
جو تقدیر ہے بر سبیل حکایت۔

منشی - حضور یہ اردو نثر نہیں سامری کا سحر ہے۔ میرے خیال میں
تو اس گنجینہ نایاب کو زیور طباعت سے آراستہ ہونا چاہیئے۔
غالب۔ منشی جی۔ خیال تو مبارک ہے۔ وہ نالائق تفتہ بھی مجھے تنگ
کر رہا ہے۔ وہ میرے رقعات چھاپنا چاہتا ہے۔ میں شاعر تھا
موتینہ پوش نہیں۔ اب موتینہ پوش بھی بننا پڑے گا۔
میرے خیالات کا بیلام اٹھے گا۔ خیر زمانہ جو نہ کرے کم ہے۔
(منشی قلم رکھ کر سنانے لگتے ہیں)

غالب - اچھا اب باقی آئندہ تمہارا بھی نماز کا وقت آگیا۔
(پردہ گرتا ہے)

سین پانچواں

مرزا صاحب پلنگ پر شمال اوڑھے لیٹے ہیں۔ سر ہانے تپائی
پر خطوط کا ڈھیر رکھا ہوا ہے۔ پردے کے پیچھے جا جتی رکھی
ہوئی ہے۔

(حالی داخل ہوتے ہیں)

غالب۔ کون میاں الطاف حسین آؤ آؤ تمہیں کو یاد کر رہا تھا۔
حالی۔ حضور مزاج عالی ناساز معلوم ہوتا ہے۔

غالب۔ نہیں میاں چھتر سال کی عمر ہونے آئی۔ اب بھی کمزوری
نہ ہو تو کیسا۔ (زور لگا کر اٹھنا چاہتے ہیں) حالی مدد کو آگے
بڑھتے ہیں) لیٹے رہیے حضور میں بیٹھ جاؤں گا۔ (پلنگ کے
قریب موندھا کھینچ کر بیٹھ جاتے ہیں)

غالب۔ سچ تو یہ ہے مضحمل ہو گئے توئی غالب

اب عناصر میں اعتدال کہاں

حالی۔ قبلہ۔ قاطع برہان کا سلسلہ ختم کیجئے۔ لوگ سب و شتم پر اتر
آئے ہیں۔

غالب۔ ہاں مہیاں روز ڈاک میں ایسے ایسے خطوط ملتے ہیں کہ خدا کی
پناہ ظالموں نے گالی گلو ج پر کمر باندھ لی۔ دکھ تو اس بات
کا ہے کہ کم بختوں کو گالی دینے کا بھی سلیقہ نہیں۔ بڈھے
یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں۔ تاکہ اس کو غیرت لے۔
جوان کو جو رو کی گالی دیتے ہیں بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں
یہ قرم ساتی ۷۶ برس کے بوڑھے کو ماں کی گالی دیتا ہے۔
اس سے زیادہ کون بے وقوف ہو گا۔

حالی۔ قبلہ ہمارے ہندوستان کی پیمانہ کی کا بڑا سبب یہی ہے کہ
یہاں اہل کمال کی قدر نہیں کی جاتی۔ آپ کی شہرت اور
مقبولیت کو دیکھ کر لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور اس طرح
دل کے پھپھو لے پھوڑ لیتے ہیں۔
غالب۔ ارے بھئی۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
سچ تو یہ ہے کہ

بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا
یہ بے سبب دشمن کیوں۔ آخر زمانہ مجھے مٹانے پر کیوں تُلّا ہے

لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں
حالی۔ کیا بات کہی ہے حضور۔ واقعی آپ لوح جہاں پر حرف
مکرر نہیں۔ آپ تو خود اپنی نظیر میں آپ کو یاد ہو گا آپ ہی
نے کلکتہ کے سفر کا واقعہ بیان کیا تھا۔ کہ ایران کا سفیر آپ
کی فارسی دانی کا معترف ہے۔

غالب۔ اور خوبی سنو۔ کلکتہ ہی سے قاطع برہان کے سلسلہ میں
خطوط کا تانتا بند ہو گیا ہے۔ بھئی ہم تو کلکتہ پر جان دیتے
تھے۔ میں کلکتہ کے ماحول سے کافی متاثر ہوا تھا۔ واپسی پر
چند شعر بھی کہے تھے تم نے سنے نہیں۔

حالی۔ آپ کے طبع شدہ دیوان میں تو نہیں۔
غالب۔ تم کون سے دیوان کی بات کر رہے ہو۔ مفتی انوار الحق کی زیر
نگرانی جو ۱۸۳۷ء میں طبع ہوا وہ دیکھا یا ۱۸۴۳ء والا
جو سید الاخبار کے مطبع سے چھپا اسے دیکھا۔

حالی۔ دونوں میں بھی نہیں۔

غالب۔ نہیں میاں یہ اشعار اس کے بعد لکھے گئے۔ ہائے وہ بیانی

۱۔ اس طرح دیوان غالب کی تاریخ تدوین اور ان کے انداز تحریر
کا بھی ذکر آگیا ہے۔

بھی نہیں ملتی۔ (تکیہ کے نیچے کچھ ٹوٹتے ہیں) حالی ایک سنہری
جلد کی بیاض نکال کر غالب کو دیتے ہیں۔
غالب۔ تو تم ہی پڑھو۔ میرا خط تو شفیعا ہے۔ تمہیں پڑھنے میں
دقت نہ ہوگی۔

حالی۔ نہیں حضور آپ ہی کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔
غالب۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں میاں اب تو ہم چراغ سحری
ہیں بلند آواز سے۔

دم واپسیں برسرِ راہ ہے بڑا عزیز و بس اللہ ہی اللہ ہے
تم سفرِ کلکتہ کے تاثرات سننا چاہتے تھے نا۔ میاں مولوی
سراج الدین احمد کے ہاں کی ضیافت مجھے کبھی نہیں بھولے گی۔
پہلی مرتبہ میں نے نازینِ خود آرا کو اس محفل میں دیکھا۔ کیا
بتاؤں کیا حالت ہوئی۔ ایک صاحب تھے حسن علی وہ تو
ماشاء اللہ آدمی کے بچے تھے لیکن واہ صاحب ان کی اہلیہ
ہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی حور آسمان سے اتر آئی ہے۔
میں نے چپکے سے کہا۔

غالب ان ماہِ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

سراج الدین نے فوراً میرے چٹکی بولی ایک بی صاحبہ نے
 ہمارا کلام بھی سنایا۔ کم بخت نے کیا آواز پائی تھی۔ مجھے
 خود اپنے کہے پر ناز ہونے لگا۔ اس کاشین قاف بھی دست
 نقا۔ شعر سمجھنے کی بھی صلاحیت رکھتی تھی۔ ان ہی کے لئے تو
 کہا تھا سناؤ گے۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین
 ایک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے
 وہ سترہ زار ہائے مطر اکہ ہے غضب
 وہ نازنین بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے
 صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ حفا نظر
 طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے
 (چکر آجاتا ہے تکیہ پر گردن ڈھکاک جاتی ہے)
 حالی فوراً اٹھ کر تعام لیتے ہیں۔ کلیان ارے میاں کلیان۔
 کلیان۔ آیا حضور

حالی۔ فوراً حسین علی خاں صاحب کو باہر بھجوا دو۔
 حسین علی خاں۔ کیوں بھائی صاحب خیر تو ہے۔
 حالی۔ میاں مرزا صاحب کے آثار اچھے نہیں۔ آپ اپنے دادا

نواب علاء الدین خان کو فوراً تار دلوادیجئے۔

حسین علی خان۔ وادایا نے کل ہی اہیں حط لکھوایا اہنوں نے
مزاج کی کیفیت پوچھی تھی۔ تو لکھوایا کہ اب میرا حال مجھ
سے کیا پوچھتے ہو۔ چند دن بعد ہم سیانوں سے پوچھ لینا۔
اچھا اب میں حکیم احسن امڈ خان کو لائے جاتا ہوں۔ تم بیگم
صاحبہ کو یہاں بلوالو چلتے ہیں۔
(پردہ گر جاتا ہے)

سین آخری

اسٹیج پر بہت سے آدمی سوگوار ہیں۔ حالی کا مرثیہ کورس کی
شکل میں گایا جا رہا ہے۔
مرثیہ

نقد معنی نکستہ داں نہ رہا
خوان مضمون کا مہیڑیاں نہ رہا
ساقو اس کے گئی یہاں سخن
اب کچھ اندیشہ خزاں نہ رہا

ہوا اک کاروان سالار
 کوئی سالار کاروان نہ رہا
 عشق کا نام اس سے روشن تھا
 قیس و فریاد کا نشان نہ رہا
 ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں
 گل و بلبل کا ترجمان نہ رہا



